بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

March, 1965

بتفیضانِ روحانی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امیر الملت والدین مولانا الحاج الحافظ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز

بسرپرستی حضرت فیض العارفین شمس الملت مولانا الحاج الحافظ پیر سید نور حسین شاہ صاحب دام ظلہم

بانتظامِ جانشین قطب العارفین معین الملت مولانا الحاج الحافظ پیر سید اختر حسین شاہ صاحب مد ظلہم

انجمن خدام الصوفیہ کا

دینی مذہبی شریعت و طریقت کا علمبردار صوفیائے کرام کی جان اور علماء کی امت کا مرغوب رسالہ

ماہنامہ

انوار الصوفیہ

قصور

جلد ۵۷

شمارہ ۷

شوال ۱۳۸۴ھ

مارچ ۱۹۶۵ء

نگران: منبع رشد و ہدایت مولانا الحاج پیر سید اختر حسین شاہ صاحب ؛ مدیر و معاون: مولانا عبد العزیز صاحب عنایت رضا نی قصوری

سالانہ چندہ: -/۵ روپے ، سرپرست حضرات سے : -/۳۰ روپے

فی کاپی: ۵۰/- نئے پیسے ، معاونین کرام سے : -/۲۰ روپے

غلام رسول گوندھ ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لاہور آرٹ پریس بیرون انارکلی لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار الصوفیہ کوٹ عثمان خاں قصور سے شائع کیا

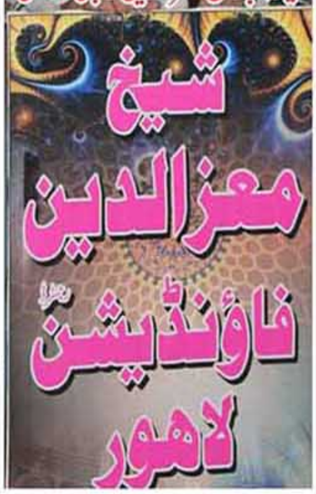
(کتبہ شاہ محمد نوری قصوری غفر لہ)

رحمتہ اللہ علیہ

انوار الصوفیہ رسالہ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری
نے انجمن خدام الصوفیہ کے زیر اہتمام ۱۹۰۴ کو شروع کروایا تھا
رسالہ انوار الصوفیہ کی ۴۲ جلدیں مہیا کرنے پر جناب محمد محمود
صاحب کا مشکور ہو اور ان رسائل کا سکین کا تمام کام شیخ
معزالدین فاونڈیشن کے بانی جناب پروفیسر محمد عاطف صاحب
نے کروایا ہے،(بختیار حسین جماعتی) رسائل کی لسٹ درج ذیل ہے







1 1950 February
2 1950 March
3 1959 May June
4 1959 Sept October
5 1961 March
6 1961 September
7 1961 October Nov
8 1962 April
9 1962 January
10 1962 November
11 1962 December
12 1963 March
13 1964 May JUne
14 1964 JUNE
15 1965 March
16 1966 September
17 1966 October
18 1966 November
19 1967 October
20 1968 October Nov
21 1971 Agust
22 1971 December 1972 Jan
23 1971 May
24 1971 July
25 1971 Semptember
26 1972 April
27 1973 January
28 1973 September
29 1973 October
30 1973 November
31 1974 February
32 1974 April
33 1974 May June
34 1974 July
35 1974 May June
36 1975 Agust
37 1975 July
38 1975 May
39 1975 September
40 1976 Nov Dec
41 1976 Sep Oct
42 1977 March April



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیضانِ روحانی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سراج الملت والدین مولانا الحاج الحافظ پیر سید محمد حسین شاہ صاحب قدس سرہ العزیز

بسرپرستی فیض گنجور شمس الملت مولانا الحاج الحافظ پیر سید نور حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم

زیر اہتمام جناب الحاج مولانا الحاج الحافظ پیر سید اختر حسین شاہ صاحب مدظلہ

انجمن خدام الصوفیہ کا

دینی مذہبی شریعت و طریقت کا علمبردار صوفیائے کرام کی جان اور علماء کی امت کا مرغوب رسالہ

انوار الصوفیہ

ماہنامہ — قصور

جلد ۵۷ — شمارہ ۷

شوال ۱۳۸۴ھ — مارچ ۱۹۶۵ء

نگران: منبع برکت، مدبرت مولانا الحاج پیر سید اختر حسین شاہ صاحب ; مدیر و معاون: مولانا عبد العزیز صاحب عارف نقشبندی قصوری

سالانہ چندہ: -/۵ روپے ، سرپرست حضرات سے: -/۳۰ روپے

فی کاپی: ۵۰/۰ نئے پیسے ، معاونین کرام سے: -/۲۰ روپے

غلام رسول گوندل مینیجر پرنٹر و پبلشر نے لاہور آرٹ پریس بیرون انارکلی لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار الصوفیہ کوٹ عثمان خاں قصور سے شائع کیا

(کتبہ شاہ محمد نوری قصوری غفر لہ)

فہرست

ضرورت رشتہ

تصویر ختم المرسلین تم ہو

(مولانا محمد صاحب)

"جماعت علیشاہ" تنویرِ رب العالمیں تم ہو!
کتابِ نورِ حق "تصویرِ ختم المرسلیں تم ہو"!

جنابِ فاطمہ کے لاڈلے حسنین کے پیارے
علیؑ مرتضیٰ مشکلکشا کے جانشیں تم ہو!

تمہارا فیض ہے جاری عرب میں بھی عجم میں بھی
جنابِ غوث کے نورِ نظر اے قطبِ دیں تم ہو!

مجدد بھی، محدث بھی، مفسر بھی، محقق بھی،
معینِ دین وملت ناشرِ احکامِ دیں تم ہو!

شریعت آپ کے گھر کی، طریقت آپ کے گھر کی،
سراج السالکیں تم ہو، امام العارفیں تم ہو!!

لرز جاتے ہیں دشمن بھی تمہارے نام کو سن کر،
معینِ اہلِ سنت، کاسرِ اعدائے دیں تم ہو!

تمہاری عمر گذری خدمتِ دینِ محمد میں،
پناہِ اہلِ سنت، ناصرِ شرعِ مبیں تم ہو!

تمہاری دید ہی ہے عین دیدِ مصطفٰے محمدؐ!
بلاشک مظہرِ تنویرِ ختم المرسلیں تم ہو!!!

گذشتہ سے پیوستہ

تفسیر القرآن

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس سے وہ میری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد "زکوٰۃ" ہے جو کہ اغنیا پر فرض ہے اور بعض نے اس سے ہر وہ خرچ مراد لیا ہے جو اللہ کی رضا جوئی اور حصول قرب کے لئے کیا جائے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جو تصدیق کرتے ہیں اس چیز کی جو اے محبوب آپ کی طرف اتاری گئی اور اس چیز کی جو آپ سے پہلے اتاری گئی اور وہ آخرت کے ساتھ یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں تک ایمان داروں کے اوصاف ظاہری اور باطنی، قلبی اور جسمانی بیان کئے گئے ہیں۔

"یؤمنون بالغیب" میں اوصاف باطنی اور قلبی کی طرف اشارہ ہے اور "یقیمون الصلوٰۃ" میں اعمال ظاہر اور جسم کی طرف۔ ایماندار وہی ہے جو دل سے اللہ اور اس کے رسول کی اور جو کچھ وہ اللہ سے لے کر آیا ہے، تصدیق کرے۔

ہمارے امام صاحب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان صرف دل کی تصدیق کا نام ہے۔ اعمال صالحہ ایمان کی جزء نہیں ہیں، اسی لئے ہم حنفیوں کے نزدیک کسی عمل کی ترک کو کفر نہیں کہا جاتا۔ صرف ان چیزوں کا انکار کفر ہے جن کی ایمان کے لئے تصدیق واجب ہے۔

ایمان دار ہونے کے بعد اسلام اور خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا پہلا رکن نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔ یہ دو چیزیں اسلام میں بڑی اہم اور ضروری ہیں۔ اس کے بعد ماہ رمضان کا روزہ اور بیت اللہ شریف کا حج جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔

نماز جو عبادت بدنی ہے تمام بدنی عبادتوں کو شامل روزہ وغیرہ کے شامل ہے اور زکوٰۃ جو عبادت مالی ہے تمام مالی عبادتوں کو مثل حج بیت اللہ شریف کے شامل ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ سے هُمْ يُوْقِنُوْنَ تک، میں اہل ایمان کا ایک ایسا نرالا وصف بیان کر دیا گیا ہے جس سے یہود و نصاریٰ کی شرکت کی رگ کٹ گئی۔ یعنی متقین وہ ہیں جو اے میرے پیارے محبوب! وحی اور قرآن پر جو آپ کے اوپر اتارا ایمان لاتے ہیں اور جو کتابیں اور شرائع آپ سے پہلے۔ پہلے انبیاء اور رسل پر اتاری گئی ان پر ایمان لاتے ہیں ، اس سے یہود و نصاریٰ کا اخراج ہو گیا ، اس لئے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب قرآن کو نہیں مانتے ، جس طرح قرآن کا ماننا قرآن لانے والے کے ماننے کو مستلزم ہے اسی طرح قرآن کا انکار اس کے لانے والے کے انکار کو مستلزم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کوئی شخص اللہ کی توحید کے بعد حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائے وہ ایماندار نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ آپ سے قبل تمام رسولوں اور نبیوں اور کتابوں کو مانتا ہی کیوں نہ ہو۔

آخرت" دنیا کے بعد کے جہان کا نام ہے دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے ، دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آخرت کو نہیں مانتے "بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ" کہہ کر مسلمانوں کو تمام ان کافروں اور مشرکوں سے جدا کر دیا جو آخرت کے قائل نہیں ہیں اور وہ صرف اسی جہان کے قائل ہیں اور مرنے کے بعد زندہ ہونا اور جنت و دوزخ کیطرف جانا، اس کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ یہ صرف نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ دنیا کے بعد دوسرا جہان ہے جس میں مومنوں کے لئے جنت اور کافروں کے لئے نار ہے اور وہاں حساب ہوگا ، اعمال تولے جائیں گے ، ہر نیکی اور بدی کی جزا ملے گی یہی لوگ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں اللہ کے عذاب سے خلاصی پاکر نعماء آخرت سے بہرہ ور ہوں گے اور فلاح پائیں گے۔

اوپر کی چار آیات ایمانداروں کے حق میں ہیں اس کے بعد دو آیات میں کافروں کا ذکر کیا گیا ہے ،

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

تحقیق جو کافر ہیں آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان پر برابر ہے پس وہ ایمان نہیں لائیں گے (آئندہ)

صوفی کے قلم سے

درسِ تصوّف

آج ہم آپ کو ایک بہت بڑے صوفی بلکہ صوفی گر کی محفلِ پاک کی سیر کراتے ہیں۔ وہ دیکھو سامنے کتنی رونق ہے کتنا ہجوم ہے لوگ گردن جھکائے ادب سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ سانس تک کی آواز نہیں آتی۔ گویا بہر مشاہدہ میں غرق ہیں درمیان میں ایک شخص جو بڑا وجیہہ ہے سادہ قسم کا لباس پہنے ہوئے ہے، مجلس کے بالکل درمیان میں بیٹھا ہوا ہے۔ بشرے سے روحانیت ٹپکتی ہے چہرہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ عبدالحمید تم کبھی یہاں آئے ہو اور اس بزرگ کو جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ نہیں بھائی آج سے پہلے میرا کبھی اس طرف گذر نہیں ہوا، عبدالحمید نے کہا۔ واہ! تم بھی عجیب آدمی ہو کہ ایسی بابرکت اور نورانی محفلوں کی سیر نہیں کرتے۔ سنو! یہ اللہ والوں کی محفل ہے۔ اس میں جو آتا ہے وہ بدبخت نہیں رہتا۔ یہ وجیہہ اور نورانی چہرے والا باہیبت اور بزرگ انسان مشاہیر صوفیائے کرام سے ہیں جن کے وجود پر اہلِ زمانہ کو فخر و ناز ہے۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ کے رہنما حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں اور ان کے اردگرد جو لوگ مؤدب ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے مرید ہیں۔ آؤ جلدی جلدی چلیں اور مجلس میں بیٹھ کر سنیں کہ اس وقت کیا فرما رہے ہیں۔ آؤ ادھر آؤ، یہاں خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ اور خوب متوجہ ہو کر سنو!

انہوں نے حاضرین کو یوں خطاب کیا، حضرات سنو! ایک مسئلہ آخرت کی نجات کا ہمارے درپیش ہے اور یہ کوئی معمولی اور چھوٹا سا مسئلہ نہیں ہے کہ اس سے بے اعتنائی کی جائے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہماری فلاح اور کامیابی اسی میں منحصر ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوسرے جہان میں نجات پائیں یعنی اپنے رب کے عذاب سے بچ جائیں اور اس کے سامنے اس طرح جائیں کہ وہ ہم پر راضی ہو اور نجات کا انحصار ایمان پر ہے ایمان مجمل یہ ہے کہ ہم کہیں میں ایمان لایا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور ایمان لایا اس چیز کے ساتھ جس کو اللہ کا رسول لایا۔ اور میں اللہ اور اس کے رسول کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے بیزار ہوں۔ بس جب ہم نے اتنا کہا تو ایماندار ہو گئے، مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ہر بات کو اس کے دلائل کے ساتھ ثابت کرنے

کے علم کے مکلف نہیں ہیں۔ ہمارا کام دینی امور کو بجا لانا اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے۔ مسائل کا ان کے دلائل کے ساتھ ثابت کرنا متبحر اور بڑے بڑے علماء کا کام ہے۔ ہاں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ائمۂ اہل بیت اطہار اور اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ہم مسلمانوں کو محبت رکھنی واجب ہے۔ ان کی محبت صراطِ مستقیم ہے جو قیامت کو پلصراط کی صورت میں دکھائی جائے گی۔ جو کوئی یہاں اس صراطِ مستقیم پر قائم رہا وہ وہاں بھی اس پلصراط سے ثبات اور استقامت سے بجلی کی چمک کی طرح گذر جائے گا۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک بے ادب رافضی آگیا۔ جانتے ہو رافضی کون ہوتا ہے؟ سنو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ رافضی رفض سے ہے جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں، جو شخص اصحابِ کبار کی محبت کو چھوڑتا ہے وہ رافضی ہوتا ہے رافضیوں میں بعض بہت متعصب ہیں۔ وہ صحابہ کے حق میں بڑی بری بری باتیں بے دھڑک کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک بے ادب رافضی میری مجلس میں بھی آگیا اور اس نے اپنی عادت کے مطابق امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بہت بڑی بات کہہ دی۔ مجھ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے تلوار کھینچ لی کہ اس نابکار کا سر اڑا دوں۔ جب اس نے اپنے سر پر تلوار لٹکتی ہوئی دیکھی تو ڈر گیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ معاف فرما دیجئے۔ جونہی میں نے حضرت امام کا نام سنا تو میرا غصہ ڈھل گیا۔ میں نے اس کو معاف کر دیا اور وہ چلا گیا۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ سب اولیاء اور تمام مشائخ کی تعظیم اور ادب واجب ہے ہاں اگر کسی شخص کو بفرطِ محبت اپنے پیر کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ تمام اولیاء اور مشائخ سے افضل ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر عزت اور ادب سب بزرگوں کا کرنا چاہیئے۔

کئی آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے پیر کے سوا کسی بزرگ سے ملتے تک نہیں، یہ جائز نہیں ہے۔

سنو! حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی شان ہے۔ انہوں نے مردہ نفوس میں جان ڈال دی ہے۔ آپ کی توجہ اور کوشش سے طریقت کو ایک عجیب اور نئی شان حاصل ہو گئی ہے جو آپ سے پہلے نہیں تھی۔

آپ نے طریقہ نقشبندیہ کے بہت سے مقامات اور کمالات لکھے ہیں اور آپ کے مریدوں میں ایسے ہزاروں سے بھی زیادہ ہیں جنہوں نے ان مقامات و واردات تک رسائی کی ہے۔

جو مقامات حضرت مجدد الف ثانی نے لکھے ہیں، بڑی تحقیق سے لکھے ہیں، ہزاروں علماء عقلاء نے ان کے حق ہونے کا اعتراف و اقرار کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے جو فیض یافتہ ان مقامات واردات تک پہنچے ہیں دوسرے اولیا کا ان سے افضل ہونا تو کجا وہ ان کے برابر بھی نہیں ہیں۔ یہ حضرات اولیا کے مشائخ اور ان کے امام ہیں۔

آپ نے فرمایا "اس زمانہ میں عزیمت پر عمل اور تقویٰ اختیار کرنا بہت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ معاملات تباہ ہو گئے ہیں اور شریعت پر عمل کرنا اتنا قلیل ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔"

آپ نے فرمایا "آج اگر فقہ کی روایت اور فتووں کے ظاہر پر عمل اور بدعات و محدثات سے اجتناب کیا جائے تو بس غنیمت ہے۔"

آپ نے فرمایا "سماع رقت کو پیدا کرتا ہے اور رقت رحمت کو کھینچتی ہے، جو چیز رحمت کو کھینچنے والی ہو اس کو حرام کیسے کہا جائے۔ ہاں جو اس میں مزامیر ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بانسری کی آواز مکروہ ہے۔

آپ نے فرمایا "کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں جا رہے تھے کہ آپ کے کان مبارک میں بانسری کی آواز آئی، آپ نے کانوں کو بند کر لیا اور عبداللہ بن عمر کو جو آپ کے ساتھ تھے بند کرنے کا حکم نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کمال تقویٰ کا منشا یہی ہے کہ ایسی آواز کو نہ سنا جائے۔

شادی کی تقریبات میں ڈھول بجانا مباح ہے۔ نقشبندی جو سماع نہیں سنتے تو اس لئے کہ وہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔

گانا چونکہ مختلف فیہ مسئلہ ہے اس لئے وہ سماع کے نزدیک نہیں جاتے اور اس کے ترک کو اولیٰ جانتے ہیں۔

ان نقشبندی بزرگوں نے کمال تقویٰ کے باعث ذکر خفی یعنے آہستہ ذکر کرنے کو ذکر جہر یعنے اونچی آواز سے ذکر کرنے پر ترجیح دی ہے۔

"بقیہ بغداد"

یہ شان و شوکت ڈیڑھ دو سو سال میں ختم ہو گئی مگر عباسیوں کی حکومت تقریباً پانچ سو سال تک باقی رہی اس طرح بغداد بھی زندہ رہا۔

قاضی شمس الدین شمس مہاجر جموں

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اے جانِ جہاں مجھ کو بھی بلوا لو خدا را
دن رات تڑپتا ہوں یہاں ہجر کا مارا
دیدار تیرا دردِ محبت کا ہے چارا
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

محبوبِ دو عالم ہے تو اللہ کا پیارا
ہے یاد تیری دل کا سکوں اور سہارا
فرقت میں یوں جینا ہے بھلا کس کو گوارا
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

کشتی ہے تلاطم میں پھنسی دور کنارا
مشکل میں سوا تیرے نہیں کوئی ہمارا
ہو جائے کرم تو ہے غریبوں کا سہارا
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

مجرم ہے خطا کار ہے اک تیرا سہارا
ہو اس کے لئے بھی کبھی رحمت کا اشارا
یہ شمسؔ تیرا رہتا ہے بےچین بیچارا
شاہاں چہ عجب بنوازند گدا را

علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی حیدرآباد پاک

صلوٰۃ وسلام کی اہمیت

علماء مجتہدین کے اختلافات کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل موقعوں میں صلوٰۃ وسلام کی اہمیت ثابت ہوتی ہے:-

اوّل: نماز میں تشہد کے اندر سلام و تشہد کے بعد صلوٰۃ بہت اہمیت رکھتی ہے۔

دوم: حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی جب مذکور ہو۔

سوم: جب آیہ کریمہ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً کی تلاوت کرے یا سنے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

چہارم: ہر اذان واقامت کے بعد اور دعائے وسیلہ سے پہلے۔ دعائے وسیلہ یہ ہے:۔
اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ (الخ)

پنجم: ہر دعا کے ساتھ، تاکہ دعائیں صلوٰۃ و سلام کے وسیلے سے بارگاہ حق تک رسائی حاصل کریں اور قبول ہوں۔

ششم: مسجد میں داخل ہوتے وقت، جیسا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین کی روائت ہے۔

حدیث: عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ الْحُسَیْنِ عَنْ جَدَّتِھَا فَاطِمَۃَ الْکُبْرٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ (ترمذی - احمد - ابن ماجہ)۔

(ترجمہ) فاطمہ بنت حسین اپنی جدہ مکرمہ حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالے عنہا سے روائت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب داخل ہوتے مسجد میں تو درود وسلام بھیجتے اور جب باہر آتے مسجد سے تو درود وسلام بھیجتے (ترمذی، احمد، ابنِ ماجہ)۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ بَدَلَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اور ایک دوسری روائت میں ہے کہ حضرتِ فاطمہ

زہرا نے کہا کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب داخل ہوتے مسجد میں اور جب باہر آتے مسجد سے تو کہتے "بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے بدلے۔

ہفتم: مسجد سے باہر آتے وقت (جیساکہ حدیث بالا میں مذکور ہے)

ہشتم: کسی مومن کے مکان میں داخل ہوتے وقت بالخصوص جبکہ وہ مکان خالی اور غیر آباد ہو یعنی جہاں داخلے کے وقت کوئی موجود نہ ہو۔

قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے کہ کسی مکان میں سلام کیئے بغیر مت اندر جاؤ۔

مفسرین کرام اس مطلق حکم کے تحت لکھتے ہیں کہ جن مکانوں میں لوگ موجود ہوں فریضۂ سلام کی بجا آوری میں غور و تامل کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جو مکانات مکین سے خالی ہوں ان میں داخلے کے وقت "سلام" کا حکم کیوں کر بجا لایا جائے گا۔ قرآن مجید نے اس مطلق کے حکم میں کوئی تخصیص نہیں کی اور کوئی استثنائی قید نہیں لگائی جس سے آباد اور غیر آباد میں فرق کیا جائے۔ لہٰذا ایک جماعت کا فیصلہ ہے کہ جس میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں کہ آباد مکان میں داخلے کے وقت حاضرین کو سلام کیا جائے گا اور خالی مکانوں میں داخلے کے وقت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا جائے گا کیونکہ حضور تمام مومنین کے ولی، ان کے اموال کے مالک ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات روحانی اور لطافت نوری سے ہر مومن کے مکان میں موجود ہیں۔

جب اس آیت روحانی سے حکم عام ثابت ہو رہا ہے تو غیر آباد مکانوں میں بھی ہمیں سلام کرتے ہوئے داخل ہونا چاہیئے۔ اگر ہمارے جیسے بشر وہاں موجود نہیں ہیں تو ہمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہوئے داخل ہونا چاہیئے۔

نہم: جمعہ و شب جمعہ کو صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرنی چاہیئے۔

دہم: خوشی کے دنوں میں مثلاً ایام ولادت میں۔

یازدہم: غم کے دنوں میں مثلاً ایام وفات میں جیساکہ جمعہ کے دن کثرت درود و سلام کا حکم دیتے ہوئے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ۔

یا سیدنا عیسٰے و سیدنا یحیٰے علیہما السلام کے متعلق قرآن مجید کا اعلان ہے۔ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

بعد وفات صلوٰۃ و سلام

حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کی نگاہ حسی کے سامنے ہوتے تو عرض سلام و ابدار صلوٰۃ میں کوئی دقت اور الجھن نہیں تھی لیکن غیبت کی حالت میں خواہ حیات حسی کے دنوں میں ہو یا یہ غیبت وفات شریف کے بعد ہو عرض صلوٰۃ و سلام میں بعض اذہان متردد ہو سکتے ہیں، اور یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی تعمیل کی

کیا صورت ہوگی ؟

سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے معنی سلام بھیجو اور بہ تاکید سلام بھیجو، نیز اس حکم کے مخاطب بلا استثناء تمام مؤمنین ہیں۔ اس حکم کا نفاذ کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ وابستہ نہیں اور نہ کسی زمانے میں اس حکمِ الٰہی کی تعطیل والتوار جائز ہے اور صحیح حدیثوں سے یہ معلوم ہو چکا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عرضِ سلام کا بہتر طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم تشہد میں دی گئی ہے ؛

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ"

عرضِ سلام کا مذکورہ طریقہ عہدِ رسالت میں جاری رہا۔ صحابہ کرام کبھی آپ کی حیاتِ حسیّ میں حضور و غیبت کی وجہ سے عرضِ سلام کے مقرر شدہ طریقہ میں کوئی ترمیم و اصلاح نہیں کی اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے صراحۃً نہ سہی، اشارۃً، کنایۃً بھی کسی ترمیم و تنسیخ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور آج بھی ساری امت میں عرضِ سلام کا وہی قدیم طریقہ رائج ہے۔

سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا یہ مفہوم ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ "اے مسلمانو! سلام بھیجنے کی نقل کرو" جیسا کہ بعض حضرات بے خبری و بے علمی کی وجہ سے کبھی کبھی بیان کرتے ہیں اور اپنے اس بیان کی تائید میں کوئی واضح دلیل پیش کرنے سے جب عاجز ہوتے ہیں تو "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" "اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِكُلِّ حَشِیْشٍ" کی مصداق کہا کرتے ہیں کہ تشہد واقعۂ معراج کی نقل و حکایت ہے۔ اس میں مذکور عرضِ سلام بھی نقلِ حکایت ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تشہد شانِ نزول کے اعتبار سے واقعۂ معراج سے متعلق ہے مگر احکامِ قرآنی اور تعلیماتِ نبوی کا دائرۂ عمل شانِ نزول میں اتنا محدود نہیں ہوتا لہٰذا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہنے کے وقت عرضِ سلام میں نیت و ارادے کو شریک اور ہم زبان ہونا چاہیئے تاکہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعمیل ہو۔

صحابہ کرام اس عرضِ سلام کو اپنی طرف سے فرمانِ الٰہی کی بجا آوری قرار دیتے تھے جیسا کہ انہوں نے بارگاہِ رحمت پناہ میں عرض کیا تھا ؛

قَدْ عَلِمْنَا كَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؐ!

"بہ تحقیق ہم جان چکے ہیں کہ آپ پر سلام کس طرح عرض کریں" ۔

اور اس سے ان کی مراد تشہد کا سلام تھا۔

رہی یہ بات کہ بارگاہِ رسالت میں عرضِ سلام کا ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ رب العزت نے شبِ معراج اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند فرمایا تھا تو اس سے ہماری تسلیم کی عزت و عظمت دوبالا ہو جاتی ہے۔ زمینی سلام کا ڈانڈا عرشی سلام سے مل جاتا ہے۔ مؤمنین کو عرضِ سلام کا حکم دے کر ادائے فرض کے لئے اللہ رب العزت نے تسلیم کی اسی صورت کو

پسند فرمایا جس کی عملی مثال شبِ معراج خود ذاتِ احدیت نے قائم فرمائی ۔ قولِ الٰہی کے ساتھ فعلِ الٰہی بھی صلوٰۃ و سلام میں ہمارا رہنما اور نمونہ عمل ہے جب ہر زمانہ ہر جگہ عرضِ سلام بصیغہ خطاب پسندیدہ ہے تو ہر مکان آباد و غیر آباد میں داخلے کے وقت حضور پر سلام بھیجنا قابلِ نزاع و خلاف نہیں سمجھا جا سکتا ۔ مفسرین کے بیانات اس سلسلہ میں حق اور دلائل کے اعتبار سے درست معلوم ہوتے ہیں نیز اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی طرح "یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْكَ" بھی ہے ۔ اس کی پسندیدگی و خوبی میں کسی بحث و نظر کی گنجائش نہیں ہے ۔

حضور کو مخاطب کر کے غائبانہ صلوٰۃ و سلام بھیجنا درست ہے جیسا کہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا تعلیمی و تعمیلی تفسیر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ سے ثابت ہو چکی ۔ اہلِ ایمان کیلئے اس ایک دلیل کے بعد مزید دلائل و شواہد کی ضرورت نہیں رہتی پھر بھی متعدد حدیثیں پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب کبھی اور جہاں کہیں سے صلوٰۃ و سلام بھیجا جاتا ہے وہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ضرور پہنچتا ہے :

حدیث ، اَکْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ اٰنِفًا عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ مُّسْلِمٍ یُّصَلِّیْ عَلَیْكَ مَرَّةً وَّاحِدَةً اِلَّا صَلَّیْتُ اَنَا وَمَلَائِكَتِیْ (رواہ الطبرانی)

(ترجمہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھ پر روزِ جمعہ بکثرت درود بھیجو ! کیونکہ کچھ پہلے میرے پاس جبریل اپنے رب جل وعلا کی طرف سے آئے اور کہا روئے زمین پر کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جو آپ پر ایک بار درود بھیجے (اللہ فرماتا ہے) مگر میں صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور میرے فرشتے سب صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس پر دس بار (طبرانی) ۔

غور فرمائیے ! ہماری ایک صلوٰۃ کا اجر اللہ کریم و مفضال کی طرف سے دس دس صلوات ہیں ۔ ان تمام صلوات کے مجموعے کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جو اپنے فرشتوں کی گنتی اور شمار سے آگاہ ہے ۔

دوسری حقیقت اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ کسی مومن کا درود بے اجر اور بے ثواب نہیں رہتا ۔ فللہ الحمد ۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عرضِ صلوٰۃ و سلام کے مواقع میں پورے ایک دن کا اضافہ ہے یعنی روزِ جمعہ جو سید الایام اور یوم العبادات نیز ہفتے کی عید ہے اور اللہ رب العزت کے نزدیک نہایت پسندیدہ و غایت برگزیدہ عمل حضور پر صلوٰۃ و سلام کی کثرت ہے ۔

حدیث : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا وَمَلَكٌ مُّوَكَّلٌ بِهَا حَتّٰى

يُبَلِّغُنِىْ (طبرانی) - (ترجمہ) حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی مجھ پر درود بھیجے اللہ
اس پر دس درود بھیجتا ہے اور فرشتہ مقرر ہے جو
درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔

حدیث: قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّ
لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِىْ عَنْ اُمَّتِى
السَّلَامَ (نسائی - ابن حبان) - (ترجمہ) حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، بیشک اللہ کے
فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ہمیشہ سیاحت میں
رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے
ہیں۔

حدیث: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَيَّ
فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِىْ (طبرانی) (ترجمہ)
بے شک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
تم لوگ جہاں کہیں بھی رہو مجھ پر درود بھیجو اس لئے
کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے (طبرانی) -

حدیث ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ رحمت پناہ میں
ایک فرشتہ اس کام پر مقرر ہے اور حدیث ۲۱ میں
ملائکہ سیاحین یعنی سیاح فرشتے بھی اس کام پر مقرر
ہیں لہٰذا دو طرح پر فرشتوں کی وساطت سے صلوٰۃ و
سلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچتا ہے
لیکن حدیث ۲۲ میں از خود بلا واسطہ درود و سلام
کے پہنچنے کی خبر ہے۔ اس حدیث میں اگلی دونوں
حدیثوں کی طرح کسی واسطہ و وسیلہ کا ذکر نہیں ہے
بارگاہِ رحمت پناہ تک صلوٰۃ وسلام کی رسائی میں یہ
فرق و امتیاز کی وجہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں
کی کیفیت عقیدت، اخلاص، حضور قلب ہے۔

درود شریف تو بہر حال حضور علیہ السلام تک
پہنچتا ہے۔ اخلاص و حضور کی کمی بیشی فاصلہ و بعد
بنتی ہے۔ کسی کا سلام آستانہ کا فرشتہ
پہنچاتا ہے اور کسی کا سلام سیاحین فرشتے پہنچاتے
ہیں اور کسی کا سلام بلا واسطہ پہنچتا ہے۔ اسی مضمون
کو دوسرے کلمات میں یوں بیان کیا گیا ہے
اِنِّىْ اَسْمَعُ سَلَامَ اَهْلِ مَحَبَّتِىْ بِغَيْرِ
وَاسِطَةٍ (بے شک میں اہل محبت کا سلام
کسی واسطے کے بغیر سنتا ہوں)۔

اس مضمون کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے
حدیث ۲۳: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ بَلَغَتْنِىْ صَلٰوتُهٗ۔
(ترجمہ) جو کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اس کی صلوٰۃ
مجھ تک پہنچ جاتی ہے (طبرانی)۔

اس حدیث میں بھی واسطے و وسیلے کا ذکر
نہیں ہے لہٰذا جب ہمارے درود و سلام
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بے واسطہ براہ راست
اور با لواسطہ ہر طرح پہنچتے ہیں اور اس رسائی و
وصول پر ایمان ہے تو پھر صیغہ خطاب سے یا نبی
سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلُ سَلَامٌ عَلَيْكَ
يَا حَبِيْبُ سَلَامٌ عَلَيْكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ
عَلَيْكَ پر نکیر و اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

الا یہ کہ ہوائے نفس کی پیروی میں اپنی ضد سے حدیث ہی کا منکر ہو۔

مذکورہ بالا بیان صرف اجتہاد وعقیدت ہی نہیں ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک براہ راست صلوٰۃ وسلام پہنچنے اور سلام کا جواب ملنے کی تائید میں دوسری صحیح اور صریح حدیثیں بھی ہیں۔

حدیث ۳: قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضور آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں بھیجتا مگر یہ کہ اللہ رب العزت میری طرف میری روح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ (احمد۔ ابوداؤد)۔

اس حدیث میں قریب وبعید اور حاضر وغائب کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ جسم وروح کے اتصال کے ساتھ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ہر سلامی کو اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور بھی ثابت ہوئے:

اول: ہماری آوازیں عالم ارواح میں سنی جاتی ہیں، کیونکہ مضمون حدیث یہ ہے کہ سلام کا جواب دینے کے لئے جسم وروح کا اتصال ہوتا ہے جبکہ سلام عالم ارواح میں پہلے سنے جا چکے۔

دوم: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی جسم وروح کے اتصال کے ساتھ قائم ہے اور روح جو بھی عمل کرتے ہیں جسم وروح کے اتصال کے ساتھ کرتے ہیں جیسا کہ سلام کے جواب میں جسم وروح کا اتصال ہونا مذکور ہے۔

سوم: حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جسم وروح کے اتصال کے بعد بھی زمان ومکان میں مقید نہیں ہوتے بلکہ ہر سلامی کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور نہ جانے بیک وقت اس عالم ظہور میں کتنے خوش نصیب سلام بھیجتے رہتے ہیں، آپ ان سب پر مطلع ہوتے ہیں اور ہر ایک کو جواب دیتے ہیں، ہماری محدود عقل (بشری) اس وسعت ادراک و وسعت عمل کا اندازہ لگانے سے قطعاً عاجز ہے۔

چہارم: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مطہرہ محفوظ رہتے ہیں اور ان میں ارواح منورہ کی آمد وشد قائم رہتی ہے۔

پنجم: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی عرصہ سلام سے محروم نہیں ہے تو لامحالہ جواب سلام سے بھی کوئی لمحہ خالی نہ ہوگا لہذا روح کی دو ہی قسمیں ہونگی:

(۱) روح پاک کا قیام ملیک مقتدر کے حضور میں ہوا اور اس کا ایک ایسا تعلق جسم اطہر کے ساتھ بھی باقی رہے جس سے جسم کی حیات قائم رہتی ہے تاکہ قبول سلام وجواب سلام کا عمل جاری رہے

جس طرح آفتاب اپنی شعاعوں سے عالم اجسام کو گرم عمل رکھتا ہے ۔

(۴) روح بتمام وکمال جسم ہی میں رہے مگر پہلی صورت زیادہ مناسب ہے تاکہ تمام احادیث اور قرآن مجید کی آیتوں میں مطابقت وموافقت رہے حضور کے لئے روضۂ انور میں حیاتِ جسمانی بھی ثابت ہے اور ملیکِ مقتدر کے ہاں قرار و قیام بھی ۔

اسی حقیقت کی طرف عارفین نے اشارہ کیا ہے کہ جسمِ اطہر کے ذریعے حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم، نگاہ عالم میں کبھی بہ تمام وکمال ظاہر نہیں ہوئی جس طرح آج آفتابِ حقیقت ملیکِ مقتدر کے ہاں روشن ہے اور محض اپنی شعاعوں سے جسمِ اطہر کو حیاتِ جسمانی سے منور و روشن رکھتا ہے اسی طرح ایامِ ظہور میں بھی حقیقتِ باطنہ صرف جسمِ اطہر میں منعکس ہوتی رہتی ہے اور اس کا مقامِ اصلی ملیکِ مقتدر کے حضور رہا ؛

ے نہ دانم مقامِ محمد چہ جائے
کہ زیرِ قدم ہا عرشِ اللہ آمد

ششم : اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وفاتِ نبوی جسم و روح کی بے تعلقی کا نام نہیں ہے کیونکہ کائنات کا کوئی ایسا لمحہ تصور میں نہیں آسکتا جس میں آپ پر صلوٰۃ وسلام کہیں سے نہ پہنچتا ہو ۔ اور خود آپ کی تدفین سے پہلے صحابہ کرام پانچ پانچ سات سات کی جماعت بنا کر آپ کے جسمِ اطہر کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام بھیجتے رہے یہی تھی وہ نمازِ جنازہ جو آپ پر پڑھی گئی ، تو لامحالہ آپ ان کے سلام کا جواب جسم و روح کے اتصال سے دیتے رہے پھر موت کیسی اور موت کس چیز کا نام ہوا ؟

انبیائے کرام کی وفات بالخصوص حضور علیہ السلام کی وفات جسم و روح کی بے تعلقی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ جسمانیوں کی آنکھوں اور دیگر حواس پر ایک ایسے حجاب کی آویزش ہے جس کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ معلوم نہیں ۔

ہفتم : اس حدیث میں نہ تو مومن کی طرف سے سلام پہنچنے کا کوئی واسطہ و وسیلہ مذکور ہے اور نہ جواب وسلام کے لئے کسی واسطے اور وسیلے کا ذکر ہے لہٰذا روایتوں میں تطبیق کی ایک صورت تو وہ تھی جو پہلے بیان کی گئی کہ درود وسلام بھیجنے والے کے اخلاص وتوجہ کی وجہ سے بارگاہ رحمت پناہ تک صلوٰۃ وسلام کی رسائی میں واسطے و فاصلے کا قرب وبعد مذکور ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ صلوٰۃ میں اخلاص و توجہ کے فرق سے قرب وبعد اور واسطہ و وسیلہ کا فرق پیدا ہوتا ہے مگر سلام کے لئے کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) بے واسطہ و وسیلہ سلام لیتے ہیں اور بے واسطہ جواب دیتے ہیں ۔

راز القادری بدایونی
یوپی انڈیا

قدیری آستانہ

خدائے پاک کی رحمت تمہارے آستانہ پر

ہجومِ دردمنداں ہے تمہارے آستانے پر!
مسیحائے جہاں ڈالو نظر ڈالو زمانے پر!

غمِ دوراں ذرا کچھ سوچ کر بھی آستانے کو!
کہ آ پہنچے ہیں مجبور اب 'قدیری' آستانے پر

اشارہ اب تو ہو جائے نگاہِ لطفِ مرشد کا!
بلائیں مستقل سی ہو گئی ہیں آشیانے پر!

سہارا اولیاء اللہ کا جب تک نہیں ملتا!
خدا کی رحمتیں نازل نہیں ہوتیں زمانے پر!

فضائیں نعرۂ تکبیر سے گونجی ہوئی سی ہیں!
عقیدت مند آ پہنچے تمہارے آستانے پر!

اٹھ اے میرے مسلماں! کربلا آواز دیتی ہے!
یزیدی انگلیاں اٹھنے لگیں تیرے فسانے پر!

بہر سو موجزن دیکھی زمیں تا آسماں ہم نے
خدائے پاک کی رحمت تمہارے آستانے پر!

بغیر اس کے نہیں اوقات کچھ بھی راز کی مرشد!
عقیدت سے بہ سجدہ ہے تمہارے آستانے پر!

ادب

از تبرکات فخر الاماثل بحر العلوم واقف اسرار طریقت کشاف مغلقات شریعت سراج الملت مولانا الحاج پیر سید محمد حسین شاہ صاحب قدس سرہ محدث علی پوری

امام شافعی کا ادب ہے جو امام سیوطی نے "تنزیہ الانبیاء عن تشبہ الانبیاء" میں امام سبکی کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضرت نے اس کے قطع ید کا ارادہ فرمایا تھا کسی نے اس کی سفارش کی، پھر وہ حدیث نقل کی کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ اگر فلاں عورت (جو کہ ایک شریفہ تھیں چرلیتی) ان کا بھی ہاتھ قطع کرتا۔

امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا کا نام مصرح ہے، اگر بعینہ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہ تھی لیکن از راہ کمال ادب صراحتہً نام مبارک کو ذکر نہ کیا۔

سبحان اللہ! کیا ادب تھا، حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ "لو" کے تحت میں وارد ہے جو محال پر علی سبیل فرض محال آجاتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں مقام توہین میں وارد تھا۔ اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتہً ذکر کریں، گو حدیث شریف میں وارد ہے صحیح ہے، جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں انہی کو ادب نصیب ہوتا ہے۔ ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت کہاں!

دلائل النبوہ میں ابی الحویرث سے مروی ہے کہ عبد الملک بن مروان نے غیاث بن اشیم سے پوچھا کہ تم اکبر یعنی بڑے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بڑے تھے، کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

بڑے تھے اور میں عمر میں زیادہ ہوں ۔ اس لئے کہ ولادت شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عام فیل میں ہے اور مجھے یاد ہے کہ میری والدہ اسی ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لیکر کھڑی ہوئی تھیں ۔

اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اکبر ہو یا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ، کہا اکبر حضرت تھے لیکن میں حضرت سے پیشتر پیدا ہوا ۔ اسی طرح حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق سے دریافت کیا کہ میں بڑا ہوں یا تم ؟ عرض کیا کہ آپ اکبر اور اکرم ہیں مگر میری عمر زیادہ ہے ۔

جب حضرتِ عباس جنکی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود تعظیم کرتے تھے ، یہ حالت ہو اور صدیق اکبر کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے سنن ابی داؤد میں عبداللہ ابن فیروز سے روائت ہے کہ براء ابن عازب سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست ہے کہا کھڑے ہوئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں اور میری انگلیاں حضرت کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں ۔ پھر فرمایا کہ چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں ۔ ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہوا دوئم جو سخت بیمار ہو ، سوئم جس کا لنگ ظاہر ہو ، چہارم جو نہایت دبلا ہو (انتہیٰ) ۔

خیال کیجئے کہ حضرت براء ابن عازب نے جب اس واقعہ کو بیان کیا تو ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی حکائت اپنے ہاتھ سے کریں ۔ آخر عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو حضرت کی انگلیوں کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعین عدد ہے نہ اس میں کوئی مساوات کا شائبہ ہے نہ سوءِ ادب! باوجود اس کے ادب صحابیت نے دستِ مبارک کی بھی گوارا نہیں کیا جس سے تشبیہ لازم آجاتی ہے اب دوسرے آداب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئے ،

ہرچند ناقص فہم کم عقل ، اعتراض کی نگاہ سے دیکھنے والوں کو شائد یہ موقعہ مل جائے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کب فرمایا تھا کہ اس قسم کے ادب کیا کریں مگر جو لوگ من جانب اللہ موفق ہیں صحابہ کرام کے عمل پر کبھی بھی اعتراض نہ کریں گے بلکہ بمقتضائے حدیث شریف "اصحابی کالنجوم" ان کے عمل کو اپنا مقتدا بنا کر ہر بات میں اس امر کا لحاظ رکھیں گے کہ اس بارگاہِ مقدس میں کوئی ایسی نسبت نہ لگائی جاوے جس سے کسی قسم کی بے ادبی لازم آجاوے ۔

کنز العمال میں یہ حدیث ہے عن عثمان قَالَ لَقَدْ اخْتَبَأْتُ عِنْدَ اللّٰهِ عَشْرًا اِنِّیْ الْاِسْلَامِ اَنَا رَابِعٌ فِی الْاِسْلَامِ قَدْ زَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ابْنَتَیْهِ وَقَدْ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِیْ هٰذِهِ الْیُمْنٰی فَمَا مَسِسْتُ بِهَا ذَکَرِیْ وَلَا تَغَنَّیْتُ وَلَا تَمَنَّیْتُ وَلَا شَرِبْتُ خَمْرًا

فِیْ جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا اِسْلَامٍ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِیْ هٰذِهِ السَّبْعَةَ وَيَزِيْدُهَا فِی الْمَسْجِدِ فَلَهٗ بَيْتٌ فِی الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا وَزِدْتُّهَا فِی الْمَسْجِدِ (ترجمہ) - حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے پاس اسلام میں دس چیزیں امانت رکھی ہیں، اسلام میں میں چوتھا شخص ہوں اور میرے نکاح میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے دیں اور جب سے میں نے دائیں ہاتھ سے حضرت سے بیعت کی ہے تب سے وہ ہاتھ شرمگاہ کو نہیں لگایا (الیٰ آخرہ) -

اب اس حدیث شریف میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اس سے کسی قسم کا اثر دست مبارک حضرت کا ان کے ہاتھ میں رہ گیا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔ باطن کا حال تو وہی لوگ جانیں جنکی باریک بین نظریں غوامض شرعیہ میں بلند پروازیاں کرتی ہیں لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوتی جس کو عقل متوسط تسلیم کرے، رہا اعتقاد سے مان لینا تو دوسری بات ہے اور وہ ہر کسی کو کب نصیب ہو سکتا ہے، غرض کچھ بھی سہی کسی مسلمان سے یہ تو نہ ہو سکیگا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اعتراض کرے اور فعل بھی ایسا جسپر خود شارع علیہ السلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے حاصل یہ کہ اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکے لیکن اعتقاداً مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف لگ جاوے اس میں کسی نہ کسی قسم کی فضیلت ضرور آجاتی ہے۔

دوسری بات بحث طلب ہے کہ شرمگاہ میں کون سی برائی رکھی تھی جس کو وہ متبرک ہاتھ لگانا مذموم سمجھا گیا حالانکہ اکثر احادیث اور آثار سے ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے مثل دیگر اعضاء کے جس کو ہاتھ لگانے سے نہ وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی نجس ہوتا ہے۔ لیکن حضرت عثمان کا ادب واتقاء ایمان دیکھئے کہ جس چیز کے مس کرنے میں شرعاً کوئی کراہت نہیں، اگر ہے تو طبعی ہے محض ادب وعظمت کی خاطر عمر بھر اجتناب فرماتے رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا پورا اثر کرنے میں نہ منتظر امر ہے نہ محتاج نظر بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوت راسخہ ہے جسکو خاص ایمان کے ساتھ تعلق ہے اور منشا اس کا عظمت اور وقعت اس شخص یا اس چیز کی ہے جس کے آگے ادب کرنے والا اپنے آپ کو کم درجہ اور ذلیل سمجھتا ہے۔

بخاری شریف میں حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ (ترجمہ) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں دیکھا چونکہ جنبی تھا چھپ گیا اور غسل کر کے حاضر خدمت ہوا - فرمایا اے ابوہریرہ ! کہاں تھے ! عرض کیا مجھے نہانے کی حاجت تھی اس لئے بغیر طہارت کے آپ کے پاس بیٹھنے کو میں نے مکروہ سمجھا فرمایا سبحان اللہ ! مومن نجس نہیں ہوتا (انتہی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ اس حالت میں جو الگ ہو گئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کا ادب حضرت محبوب خدا کا ان کے دل میں تھا جس نے ان کی عقل کو مغلوب کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ آخر سمجھتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا ایک امر حکمی ہے حسی نہیں جس سے دوسرے کو کراہت معلوم ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

ہر چند حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شرعی بیان کر دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے کو انہیں کون سی چیز مانع تھی اگر نعوذ باللہ ! طبیعت میں بے باکی ہوتی تو خیال کر لیتے کہ اس حالت میں مجالست سے کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی خیال آ سکتا تھا کہ چل کر تو دیکھئے اگر حضرت ہی منع فرما دیں تو ایک مسئلہ معلوم ہو جائے گا ، خصوصاً اس زمانہ میں ہر روز نئے نئے مسائل معلوم ہونے کی ضرورت سمجھی جاتی تھی غرضیکہ ادب نے ان کو جرأت کرنے نہ دی ،

پھر حضرت نے جو مسئلہ بیان کیا اس سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ شرعیہ معلوم ہو جاوے ان کے ادب سے اس میں کچھ تعرض نہیں حالانکہ حضرت جانتے تھے کہ صرف ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے ، اگر یہ حرکت ان کی ناگوارِ طبع مبارک ہوتی تو بتصریح اس سے نہی فرما دیتے ۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں حدیث نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت اسلع بن شریک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتے تھے ۔ ایک رات ان کو نہانے کی حاجت ہو گئی اور حضرت نے کوچ کا ارادہ فرما دیا ۔ اس وقت سردی کے باعث پانی نہایت ٹھنڈا تھا ۔ حضرت اسلع کو تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہا لوں تو

مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہونے کا خوف
ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص
سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں ۔
مجبوراً کسی انصاری سے کہہ دیا کہ حضرت کا کجاوہ
باندھ دینا ۔

پھر حضرت اسلع نے چند پتھر رکھ کر پانی گرم
کر کے غسل کیا اور راستے میں حضرت کو
جا ملے ۔ حضرت نے فرمایا اے اسلع! کیا سبب
ہے کہ آج میں تمہارے کجاوہ کو متغیر پاتا ہوں!
عرض کیا میں نے نہیں باندھا تھا! فرمایا کیوں!
عرض کیا اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی ،
اس لئے کسی کو باندھنے کے لئے کہا تھا (الیٰ آخرہ)

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس
کجاوہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف
رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں
ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا ۔

اگر بہ چشم انصاف دیکھا جاتے تو
منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا جس نے
ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا
کر دئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم
کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحتہً ترغیب وتحریص ۔

اب اگر کوئی شخص اپنی لف بست ایمان تحقیقی کا دعویٰ
کر کے کہے کہ یہ خیالات ایام جہالت کے ہوں گے
تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص ایماندار اس
کلام کی طرف التفات کرے گا یا لطیب خاطر
جواب دے گا ۔

مختصر یہ کہ جب صحابہ کرام نے ان لکڑیوں کا
ادب کر کے قیامت تک کے لئے نمونہ قائم کر دیا
تو اب ہمیں بزرگان دین کا ادب کرنے کے لئے
اس سے کس درجہ سبق حاصل کرنا چاہئے
فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ۔

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے باپ سے
روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے
تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضرت کی طرف
سر نہ اٹھاتا ۔ حضرت عبد الرحمن بن قرط فرماتے
ہیں کہ ایک بار میں مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک
حلقہ میں لوگ ایسے سرجھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا
ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں اور ایک شخص حدیث
بیان کر رہے ہیں ۔ دیکھا تو حضرت حذیفہ ہیں یعنی
سب حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مؤدبانہ
سرجھکائے بیٹھے تھے کہ گردنوں پر سر ہی نہیں
دکھائی دیتے تھے ،

اب ذرا زمانہ کے انقلاب اور طبیعتوں کی
رفتار کو دیکھنا چاہئے کہ خیر القرون کے ملک سے
یہ لوگ کس قدر دور ہو گئے ہیں ۔ خیر القرون
کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے آداب ایجاد کئے جاتے
تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا
کیونکہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں
پڑی تھی ، اب اگر آداب بجا لائے جائیں تو

مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہونے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کچاوہ اونٹنی پر باندھوں ۔ مجبوراً کسی انصاری سے کہہ دیا کہ حضرت کا کچاوہ باندھ دینا ۔

پھر حضرت اسلع نے چند پتھر رکھ کر پانی گرم کر کے غسل کیا اور راستے میں حضرت کو جا ملے ۔ حضرت نے فرمایا اے اسلع! کیا سبب ہے کہ آج میں تمہارے کچاوہ کو متغیر پاتا ہوں! عرض کیا میں نے نہیں باندھا تھا! فرمایا کیوں! عرض کیا اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی ، اس لئے کسی کو باندھنے کے لئے کہا تھا (الیٰ آخرہ)

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کچاوہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا ۔

اگر بہ چشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحتہً ترغیب وتحریص ۔

اب اگر کوئی شخص اپنی لف بہت ایمان تحقیقی کا دعوٰی کر سکے کہ یہ خیالات ایام جہالت کے ہونگے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص ایماندار اس کلام کی طرف التفات کرے گا یا بلطیب خاطر جواب دے گا ۔

مختصر یہ کہ جب صحابہ کرام نے ان لکڑیوں کا ادب کر کے قیامت تک کے لیئے نمونہ قائم کر دیا تو اب ہمیں بزرگان دین کا ادب کرنے کے لئے اس سے کس درجہ سبق حاصل کرنا چاہیئے فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ۔

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضرت کی طرف سر نہ اٹھاتا ۔ حضرت عبد الرحمن بن قرط فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک حلقہ میں لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں اور ایک شخص حدیث بیان کر رہے ہیں ، دیکھا تو حضرت حذیفہ ہیں یعنی سب حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مؤدبانہ سر جھکائے بیٹھے تھے کہ گردنوں پر سر ہی نہیں دکھائی دیتے تھے ،

اب ذرا زمانہ کے انقلاب اور طبیعتوں کی رفتار کو دیکھنا چاہیئے کہ خیر القرون کے ملک سے یہ لوگ کس قدر دور ہو گئے ہیں ۔ خیر القرون کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے آداب بجا لائے جاتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا کیونکہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی ، اب اگر آداب بجا لائے جائیں تو

بجائے تسلیم کر لینے کے اعتراضات نامعقول کئے جاتے ہیں اور شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے حق تعالےٰ ہم کو ادب نصیب فرمائے

بخاری شریف کی روایت ہے :

عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا وَمِنْ أَيْنَ قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترجمہ) سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری - دیکھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں - کہا جاؤ اور ان دو شخصوں کو میرے پاس لے آؤ - جب ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو ؟ کہا طائف والے ، فرمایا اگر تم اس شہر والے ہوتے تو میں ضرور تم کو مارتا اور اذیت پہنچاتا - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تم آواز بلند کرتے ہو - اس خبر سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا اگر کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا باوجودیکہ سائب بن یزید چنداں دور نہ تھے مگر اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر ان کو اپنی طرف متوجہ کیا -

یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے تھے - اگر صرف مسجد ہونے کا لحاظ ہوتا تو فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہنے کی ضرورت نہ تھی -

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ تعزیر اہل بلد کے لئے خاص فرمائی جن کو مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے - اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی مسجدیں تھیں -

"شکریہ !"

مولانا الحاج بہجت الملت پیر سید بشیر حسین شاہ صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ میرے جن احباب اور غمگساروں نے برخوردار طاہرہ بی بی کی چوٹ کا سن کر میری طرف تفقد حال کے لئے خطوط لکھے ہیں میں ان سب احباب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنے کی بجائے بوساطت ماہنامہ "انوار الصوفیہ" شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرے ان سب دوستوں نے میرے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے -

"شکریہ"

جناب رانا محمد حسن خاں صاحب دکاندار پتلی گھر لائل پور نے -/۲۰ روپے بطور اعانت رسالہ ارسال فرمائے -

عبداللہ بن ابی بن سلول

کا جنازہ!

(مولانا محمد ایوب ہزاروی مدرسہ نقشبندیہ علی پور)

حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے اپنی بیماری میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو طلب کیا۔ جب اس کی استدعا کے مطابق آپ تشریف لائے تو عرض کرنے لگا کہ آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اور میرا جنازہ بھی آپ ہی پڑھائیں اور میری قبر پر بھی قیام فرمائیں۔

آپ اس کی یہ گفتگو سن کر واپس تشریف لے آئے۔ پھر اس نے اپنے لڑکے کو بھیجا کہ جاؤ اور (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم) سے میرے لئے قمیص لے آؤ تاکہ میرے مرنے کے بعد مجھے اس میں کفن دیا جائے۔ نبی اکرم نے اس کی طرف اپنی قمیص ارسال کی لیکن اس نے اسے منظور نہ کیا بلکہ اپنے لڑکے سے کہا کہ جاؤ اور عرض کرو کہ مہربانی فرما کر وہ قمیص عنائت فرمائیں جسے آپ پہنتے ہیں، جو آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ ملی رہتی ہے۔

جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وہ قمیص عنائت فرمانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ اپنی پاک قمیص اس پلید انسان کو دیتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں۔ آپ نے حضرتِ عمر کو جواب دیا کہ میری قمیص اس سے عذاب کو دور نہیں کر سکتی، ہیں تو قمیص صرف اس لئے دیتا ہوں تاکہ منافقوں کے دلوں میں دینِ اسلام کی محبت پیدا ہو اور وہ اس بات سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔

اس بات کا پسِ منظر دراصل یہ تھا کہ عبداللہ

ابی چونکہ رئیس المنافقین تھا اس لئے اس کے پاس کثرت سے حاضر رہتے تھے تو جب انہوں نے یہ دیکھا کہ عبد اللہ بن ابی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے تخفیف عذاب کے لیئے اور بطور تبرک قمیص طلب کرتا ہے تاکہ یہ قمیص اس کو نفع دے تو بنی خزرج قبیلہ کے ایک ہزار منافقین مسلمان ہو گئے تھے۔

تفسیر جامع البیان میں بھی یونہی منقول ہے کہ وَلَمَّا رَأَوْا اَنَّہٗ تَبَرَّکَ بِقَمِیْصِہٖ اَسْلَمَ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ یَوْمَئِذٍ اَلْفٌ الخ (الترجمہ) جب منافقین نے عبد اللہ کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قمیص سے تبرک حاصل کرتے دیکھا تو ایک ہی دن ایک ہزار منافق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو صرف اس غرض سے قمیص دیتا ہوں نہ کہ جس طرح تم نے خیال کیا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم کے تبرکات نفع نہیں دے سکتے، جب ہی تو آپ نے فرمایا تھا کہ میری قمیص اسکو کسی قسم کا نفع نہیں دے سکتی ورنہ اس کلام کا کیا مطلب ہوگا؟ اگر نفع مند ہوتی تو آپ یوں ہرگز نہ فرماتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اصل اور بنیادی چیز یعنی ایمان جس پر قمیص کا نفع مرتب ہونا تھا وہ چیز ہی اس میں نہ تھی، اس لئے آپ نے فرمایا کہ میری قمیص اس کو نفع نہیں دے سکتی کیونکہ نفع کا محل ہی نہیں اور محل کی عدم صلاحیت عدم نفع کو مستلزم نہیں۔

اس جواب کی تائید پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا قول خود شاہد ہے۔ آپ فرماتے ہیں اِدْفِنُوْا مَوْتَاکُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِیْنَ (الحدیث) (الترجمہ) میت کو نیک لوگوں کے قبرستان میں دفن کیا کرو، کیونکہ جسطرح دنیا میں برے پڑوسیوں سے انسان کو اذیت پہنچتی ہے اسی طرح قبر میں میت کو برے میت کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔

یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آتا ہے کہ زمین کسی کو نفع نہیں دیتی مگر اپنے اعمال حسنہ، یعنی انسان جب تک محلِ شفاعت اور نفع نہ ہو اس وقت تک زمین بھی نفع نہیں دیتی حالانکہ تبرکات کا نفع مند ہونا کئی احادیث اور تاریخی واقعات بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے

دیکھئے پارہ دوم کے اختتام پر اللہ رب العزت تابوتِ سکینہ کا واقعہ ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖٓ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ ھٰرُوْنَ پ ۲ (الترجمہ) حضرت طالوت کی بادشاہی اس نشانی پر ہے کہ تمہارے پاس پھر وہ چھینا ہوا تابوت آئے گا اس میں تمہارے قلوب کے لئے تسکین ہے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام حضرت ہارون

کی بقیہ نشانیاں ہیں۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس تابوت میں حضرت موسٰے علیہ السلام کی نعلین پاک تھیں ، اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی مبارکہ ، تورات کے کچھ حصے اور "من" کے کچھ ٹکڑے ،

ملاحظہ ہو جلالین شریف کی عبارت:

وَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ بِهِ عَلٰى عَدُوِّهِمْ وَيُقَدِّمُونَهُ فِي الْقِتَالِ وَيَسْكُنُونَ إِلَيْهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فِيهِ سَكِينَةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰى وَآلُ هَارُونَ تَرَكَاهُ وَهُوَ نَعْلَا مُوسٰى وَعَصَاهُ وَعِمَامَةُ هَارُونَ (جلالین)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس تابوت سکینہ میں حضرت موسٰے علیہ السلام کی نعلین اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی مبارکہ وغیرہ چیزیں تھیں اور بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتے وقت اس کو اپنے آگے رکھتے تھے اور اس کے واسطہ سے دشمنوں پر فتح طلب کرتے تھے ،

یہی مضمون تقریباً سب مفسرین نے بیان فرمایا ہے بلکہ تفسیر جمل میں یہ بھی مرقوم ہے کہ جب اس تابوت سکینہ پر بنی عمالقہ نے قبضہ کر لیا تھا اور اس کو اپنے پاس لے گئے تھے تو فتح ان کو نصیب ہونی شروع ہو گئی تھی اور بنی اسرائیل مغلوب ہو گئے تھے لیکن پھر جبکہ بنی عمالقہ نے اس تابوت سکینہ کی بے حرمتی کی کہ اس کو ایک ناپاک جگہ میں جا کر دفنا دیا تو اس بے حرمتی کی وجہ سے ان کے پانچ سو گاؤں تباہ و برباد ہو گئے ، آخرکار وہ جان گئے کہ اس تابوت سکینہ کی وجہ سے ہی ہم پر وبا و مصیبت آپڑی ہے ، چنانچہ انہوں نے اس تابوت سکینہ کو اس جگہ سے نکال کر بنی اسرائیل کے حوالے کیا ، جیسے قرآن کریم میں بھی آگے واقعہ مذکور ہے ، تو ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تبرکات کی بے حرمتی باعث عذاب ہے اور عزت باعث فتح و ظفر ہے۔

دیکھو اس تابوت سکینہ میں کیا تھا حضرت موسٰے علیہ السلام کی نعلین اور ہارون علیہ السلام کی پگڑی ، یہ تبرکات نہیں تو پھر کیا ہے ؟ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰے کے بندوں کے جوتوں کے طفیل بلکہ جس چیز سے اللہ کے بندوں کو نسبت ہو جائے مصیبت کے وقت دعا مانگنے سے مشکل حل ہو جاتی ہے اور اللہ کے بندوں کے تبرکات نفع بھی پہنچاتے ہیں۔

صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے جب سفیان بن خالد الھذلی کو قتل کر کے نبی اکرم کے سامنے لائے تو آپ نے نہایت مسرت و خوشی میں فرمایا کہ یہ عصا لو ، دن قیامت کے یہ تمہیں فائدہ پہنچائے گا اور تم اس پر تکیہ کرو گے۔

چنانچہ آپ نے اپنی زندگی بھر اس کو اپنے پاس رکھا اور آخری وقت وصیت فرمائی کہ یہ عصا (لاٹھی)

میرے کفن میں رکھنا اور گھر والوں نے اسی طرح کیا تو معلوم ہوا کہ صحابی کا یہ ایمان تھا کہ دن قیامت کے بلکہ قبر میں مجھے حضور کی عنائت کردہ لاٹھی فائدہ دے گی ۔ اسی لئے تو آپ نے کفن میں رکھنے کی وصیت کی تھی ورنہ اس کا کیا مطلب تھا؟ ۔

نیز وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک منڈوایا اور جتنے بال مبارک تھے ان میں سے نصف تو حضرت طلحہ کو عنائت فرمائے اور نصف باقی حاضرین مجلس پر تقسیم فرمائے اور صحابہ کرام تبرک کے طور پر ان بالوں کو اپنے پاس رکھتے تھے اور بالوں کے ذریعہ دشمنوں پر مدد مانگتے تھے اسی لئے صاحب اسرار محمدیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی گنہگار کی قبر میں نبی اکرم کا عصا (لاٹھی) یا بال مبارک رکھے جائیں تو اس تبرک کے طفیل وہ عذاب سے نجات حاصل کر لے گا اور یہ تبرکات کسی گاؤں یا شہر یا گھر میں ہوں تو وہاں کے بسنے والوں کو آفات و بلیات سے نجات حاصل ہوگی ۔

اب سوال یہ ہے کہ سلاطین خصوصاً سلاطین عثمانیہ کے خزائن میں نبی اکرم کے تبرکات تو موجود ہوتے تھے لیکن بارہا ان کو دشمنوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور ان تبرکات کے ہوتے ہوئے ان پر مصائب کی بارشیں برستی تھیں تو تمہارا قول کہ تبرکات کے ذریعہ مصائب ٹل جاتے ہیں کیسے درست ہوا؟ اس کا جواب

انہوں نے ان تبرکات مقدسہ کا احترام کرنا ترک کر دیا تھا اور ان کی بے عزتی شروع کر دی تھی ، اس وجہ سے ان پر مصائب کے در کھل گئے ، جیسے دیکھئے کہ مکہ و مدینہ میں طاعون کی بیماری داخل نہیں ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے ان کی بے حرمتی شروع کر دی تو ان پر سب کچھ جائز ہوگیا ۔ وللتفصیل مقام اخر ،

آمدم بر سر مطلب ! تو جب عبداللہ کا انتقال ہوگیا تو اس کا لڑکا حباب نامی (جو کہ مسلمان تھا) حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ میرے ساتھ مہربانی و شفقت فرماتے ہوئے میرے ساتھ تشریف لے چلیں اور میرے والد کا نماز جنازہ پڑھائیں ورنہ دشمنان اسلام میرے ساتھ مذاق اڑائیں گے ۔

نبی اکرم نے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے ؟ عرض کی "حباب" ، فرمایا تمہارا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے کیونکہ "حباب" شیطان کو کہتے ہیں ،

نبی اکرم اس کی رعائت فرماتے ہوئے اور اس کی تسکین قلبی فرماتے ہوئے جب کھڑے ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اس بے دین اور منافق کا جنازہ پڑھنے کے لئے کیوں جاتے ہیں ۔ وہ ایک خبیث النسان تھا

آپ نے اس کے صفاتِ ذمیمہ بیان فرمائے۔ اتنے میں جبریل امین علیہ السلام حکمِ خداوندی لیکر پہنچ آئے اور عرض کی یا حبیب اللہ! بات حضرت عمر کی درست ہے اور اس کا نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف نہ لے جائیں۔ چنانچہ آپ نے اس ارادہ سے اعراض کیا۔

بعض علمائے کرام کے خیال کے مطابق آیتِ مبارکہ نمازِ جنازہ پڑھانے سے پہلے نازل ہوئی ہے اور بعض کے قول کے مطابق بعد میں نازل ہوئی ہے۔

صاحبِ تفسیر جامع البیان فرماتے ہیں فَقَالَ الْاَکْثَرُوْنَ نَزَلَتْ بَعْدَ اَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ وَقَالَ بَعْضُھُمْ نَزَلَتْ حِیْنَ قَامَ (الخ)۔ یہی مفہوم باقی مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کو علم تھا کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے تو پھر آپ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے کیسے تیار ہو گئے اور اگر علم نہ تھا تو معلوم ہوا کہ آپ کو علمِ غیب نہیں ورنہ ایسا کرنے کا کیا مطلب؟ - اس کے جوابات کئی طریقوں سے دئے جا سکتے ہیں یعنی اس کے کئی جوابات ہیں:

(۱) چونکہ اس سے پہلے منافقین کے نمازِ جنازہ کی نفی نہیں ہوئی تھی اور ان منافقین کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے نمازِ جنازہ پڑھانے کا قصد کیا تھا نہ کہ عدمِ علم کی وجہ سے۔ یہی سوال و جواب کمالین میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے فَاِنْ قُلْتَ لِمَ اَجَازَتِ الصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ قُلْتُ لَمْ یَتَقَدَّمْ نَھْیٌ عَنِ الصَّلٰوۃِ عَلَیْھِمْ وَکَانُوْا یُجْرُوْنَھُمْ مَجْرَی الْمُسْلِمِیْنَ بِظَاھِرِ اِیْمَانِھِمْ (الخ) تحت آیت لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ (الآیۃ) اور احکام چونکہ ظاہر کے لحاظ سے جاری ہوتے ہیں اس لئے آپ نے جنازہ کا ارادہ فرمایا تو رب تعالٰی نے فرمایا اے میرے حبیب! اب آئندہ کے لئے یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ آپ قطعاً نہ پڑھائیں اور نہ ہی ان کی قبر پر ٹھہرا کریں - پہلے تو آپ کو نہیں روکا گیا تھا۔ بعد میں جب نہی وارد ہوگئی تو آپ نے تمام زندگی کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھایا -

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اس نے آپ سے قمیص طلب کی تھی اور دعائے مغفرت کے لئے بھی استدعا کی تھی تو آپ نے صرف ظاہری علامتوں پر عمل کرتے ہوئے اس کی نمازِ جنازہ کا قصد کیا اور اپنے علم کا اس میں کوئی دخل نہ دیا اور آئندہ دنیا کو بتا دیا کہ جس طرح میں علمِ غیب کے ہونے بھی اپنے علم کو استعمال نہیں کرتا اسی طرح تم بھی اے دنیا کے حاکمو

اور قاضیو! جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آجائے تو اس میں اپنے علم کو اس وقت تک دخل نہ دینا چاہئیے جب تک کہ ظاہری علامتیں موجود نہ ہوں۔ جیسے کہ فقہائے کرام بھی فرماتے ہیں کہ قاضی کو اپنے علم پر فیصلہ نہیں کرنا چاہئیے بلکہ گواہوں کے قول کے مطابق کرنا چاہئیے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض والتقدیر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ کو اس وقت تفصیلی علم نہ تھا تو کیا جب رب العزت نے اس واقعہ سے مطلع کر دیا تو پھر بھی علم نہیں ہوا، یہ علم غیب نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اجمالی علم آپ کو پہلے ہی سے رب العزت نے عطا کر دیا لیکن جیسے جیسے واقعات درپیش آتے رہے تو رب العزت آپ کو علم تفصیلی سے نوازتے رہے غرضیکہ قرآن مجید کے مکمل ہونے سے آپ کا علم بھی مکمل ہو گیا۔ جیسے تفسیر صاوی میں ہے لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اٰخِرٌ وللدلائل مقام آخر۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آپ نے اس خبیث کو اپنی قمیص مقدسہ کیوں عنایت فرمائی، اس میں کیا حکمت مضمر تھی اس کے جواب میں مفسرین یوں فرماتے ہیں کہ حضرت عباس بدر کے موقعہ پر جب قیدی ہو کر نبی اکرم کے پاس لائے گئے تو آپ کی قمیص نہ تھی تو اس وقت عبداللہ بن ابی نے آپ کے چچا حضرت عباس کو قمیص پہنائی تھی تو حضور اکرم نے اس بے دین کا بدلہ اور احسان ختم کرنے کے لئے اپنی قمیص اس کو عنایت فرمائی تھی۔

(۲) رب العزت نے آپ کو حکم دیا ہے وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ کہ سائل کو منع نہ کرو تو چونکہ اس وقت وہ سائل کی حیثیت سے طلب کر رہا تھا اس لئے آپ نے قمیص دے دی۔

(۳) ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی یا الہام کے ذریعہ بتلا دیا ہو کہ اگر تم اپنی قمیص دو گے تو ایک ہزار منافق مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کی تفصیل پہلے بھی گذر چکی ہے۔ واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

کھانا کھانے کے آداب اس کتابچہ میں جو ۴۸ صفحات کا ہے مسنون طریقہ سے کھانا کھانے کے آداب کتب احادیث اور اقوال بزرگان دین سے جمع کر کے لکھے گئے ہیں۔ اس کی اصل قیمت چار آنے فی کاپی ہے مگر عوام تک پہنچانے کے لئے، تاکہ اس کے فیض سے سبھی مستفیض ہوں، بجائے چار آنہ کے دو آنے قیمت وصول کی جائیگی۔ آٹھ آدمی مل کر آٹھ کاپیاں اکٹھی منگوانے کے لئے ۱ روپیہ کے ٹکٹ ارسال کریں۔

مکتبہ انوار الصوفیہ کورٹ عثمان خان قصور

راز القادری بدایونی (یو پی انڈیا)

اسلام کا پرچم

اسلام کا پرچم لہرانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
وحدت کا ڈنکا بجوانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
اے کفر کی تاریکی مٹ جا ایمان کے دیپک لے لیکر
ہر گوشۂ دل کو چمکانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
شیطان نہ آ نور اہوں میں ہم منزل حق پہ پہنچیں گے
یہ بات اٹل ہے دیوانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
ہر جانب مستی جاگے گی ہر جانب رحمت برسیگی
ہر سمت چلیں گے پیمانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
اللہ کی رحمت کے غنچے اب پھول بنیں گے وقت آیا
گلزار بنیں گے دیوانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
پی پی کے شرابِ عشقِ نبی نظروں میں سمایا ہے سودا
کہتے ہیں یہ ہنس کر مستانے مسلم کی جوانی جاگی ہے
اے راز یہ دنیا کیا جانے اللہ کے پیارے سے بزرگو
پھر بھی دینِ حق پھیلانے مسلم کی جوانی جاگی ہے

نقابِ تجلی

جناب درد کاکوروی

ہے جلوہ فگن آفتابِ تجلی
کہ ہے جام دل میں شرابِ تجلی
پلائی ہے ایسی کھری تو نے ساقی
ہوئے دور سارے حجابِ تجلی
رہے رقص اور کیف میں کیوں نہ ہر دم
کہ ہے قلب مست و خرابِ تجلی
کہاں ظلمتِ نفس و تن کا پتہ ہے
ہوا جلوہ گر آفتابِ تجلی
منور، مطہر نہ ہو کیوں سراپا
سراپا جو دل ہو خرابِ تجلی
ہوئی بے خود و مست محفل کی محفل
عجب رنگ لائی شرابِ تجلی
نہ اٹھ جائیں کیوں سب من و تو کے پردے
وہ دیکھو وہ سرکی نقابِ تجلی
مرا دل ہے طور اور اس کا نظارہ
کہاں سے کوئی لائے تابِ تجلی
اڑا جام پر جام اے درد ہر دم
جو ساقی پلائے شرابِ تجلی

محترمہ صوفیہ بانو عہ

سوانح عمری

حضرت مولنا حافظ محمد انور علی صاحب روہتکی

رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا رشحات مولانا جامی کی تصنیف میں حضرت عبداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ احرار فرماتے ہیں کہ کھانے میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ کھانا ایسا کھانا چاہیئے کہ جس کا پکانے والا اور پکانے والی ذاکر ہو اور اللہ کی تسبیح اللہ کے ذکر کے ساتھ پکایا ہوا ہو۔ اللہ کے راہ سلوک میں قدم رکھنے والے مرید اور مریدنی کا ایسا کھانا جو دنیا کی باتوں سے اللہ کی یاد کی غفلت سے پکایا گیا ہو ہرگز نہ کھانا چاہیئے کیونکہ ایسے کھانے سے دل میں کدورت اور سیاہی پیدا ہوتی ہے جو اللہ کی یاد سے باز رکھتی ہے اور جس کے پکانے والی اللہ کی ذاکر ہو، دل کو اس کے شعور اور آگاہی حاصل ہو، اس نے شعور اور آگاہی کی حالت میں چولہے میں ایندھن رکھا ہو اور آگ جلائی ہو اور کھانا پکایا ہو وہ کھانا دل میں شعور حضور، آگاہی اور نور پیدا کرتا ہے

فرمایا ایک مرتبہ خواجہ عبداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ اپنے باورچی خانہ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ باورچی کھانا پکاتے وقت دنیا کی باتیں کر رہے ہیں، ان کو جھڑکا اور غصے ہوئے اور فرمایا کہ وضو کا پانی گرم کرتے وقت اور کھانا پکاتے وقت دل سے حاضر رہنا چاہیئے یعنے اللہ اللہ کرنا چاہیئے۔ دنیا کی باتیں نہیں کرنا چاہیئے چونکہ جو پانی غفلت کی حالت میں گرم کیا جائے اور کھانا غفلت کی حالت اور دنیا کی باتوں میں پکایا جائے اس پانی کے ساتھ وضو کرنے سے اور اس کھانے سے دل میں غفلت اور کدورت آتی ہے، دل پر ظلمت چھا جاتی ہے۔

فرمایا حضرت خواجۂ خواجگاں خواجہ نقشبند

رضی اللہ تعالے عنہ ایسا کھانا ہرگز نہیں کھاتے تھے جو غفلت کی حالت میں پکایا جائے۔ اور بہت سے اقوال بزرگانِ دین کے اس بارے میں فرمائے جو بوجہ طوالت نہیں لکھتی۔

فرمایا: اور کرامت کا حال سنو کہ ان کے خاوند حضرت احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی کا اللہ کی محبت میں یہ حال ہو گیا تھا کہ ایک روز ان کے سامنے ایک طشت رکھا تھا اس کو دیکھ کر فرمایا میرے سامنے سے یہ طشت اٹھا لو کہ میں اس پر یہ لکھا ہوا دیکھتی ہوں کہ خلیفہ ہارون رشید مر گیا جب اس کی دریافت کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کا انتقال اسی وقت ہوا تھا جس وقت اس پاک بیوی نے فرمایا تھا کہ ہارون رشید مر گیا۔

فرمایا یہ ان کو دل کی آنکھوں سے نظر آیا تھا۔ اے اللہ کی نیک بندیو! اللہ کے راستے میں قدم رکھنے والیو! سنو! تم نے اس راستہ میں قدم رکھا ہے، تصوف کے مسائل خوب دل لگا کر سمجھو کہ حضرت رابعہ بی بی کی کتنی بڑی کرامت تھی جو ان کو اپنی روح اور دل کی صفائی اور دل کے نور سے ہارون رشید کا مرنا طشت پر لکھا ہوا نظر آ گیا۔

سنو! جو اللہ کی طالبہ بیویاں اپنے پیر کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ اللہ کا ذکر باقاعدہ کرتی ہیں ان کا دل اللہ کی اصلی محبت سے بھر جاتا ہے۔ غیر کی محبت دل میں نہیں رہتی وہ اللہ کی پیاری ہو جاتی ہیں، ان کی روح نورانی ہو جاتی ہے۔ اپنی اصلی روحانی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتی ہیں جو بدن میں آنے سے پہلے روحانی عالم میں تھی اور یہ کرامت کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ایسی نیک اور اللہ والی بیویوں کی کرامتیں کتابوں میں بھری پڑی ہیں، نمازِ عصر کے بعد یہ جلسہ الغت اور سلام پر ختم ہوا اور اللہ والی بہنیں اپنے گھر گئیں۔

صبح میں اور رولیا باندی حاضرِ خدمت ہو کر شرفِ قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ اپنا حال عرض کیا نورِ نظر آنے کا فرمایا کہ اب وقت تھوڑا ہے نور کا حال تمہیں تمہارے جلسہ میں سمجھائیں گے اس وقت تم کو کلمہ شریف کا ذکر جو ہماری طریقت کا آٹھواں سبق ہے وہ بتاتے ہیں چنانچہ کلمہ شریف احدیت نفی اثبات کا سبق پڑھایا اور بہنیں جو حاضرِ خدمت تھیں اور ساتوں لطائف کا سبق پڑھ چکی تھیں ان کو بھی نفی اثبات کا سبق پڑھایا۔ فرمایا اس کو حبسِ دم بھی کرتے ہیں اور بلا حبسِ دم کے بھی کرتے ہیں۔ فرمایا اس ذکر کا مقصد اپنے مقصود کی نفی ہے یعنی اللہ کے سوا اور سب مقصودوں کو مٹانا ہے نفی اثبات،

کچھ دیر کر لینے کے بعد بازگشت کو فرمایا کہ یہ بازگشت پھر اللہ کی طرف لوٹنا ہے، غرض خوب اچھی طرح اس طریقے کے ذکر کو سمجھایا (باقی آئندہ)

بغداد

علم و تہذیب کا گہوارہ

خالد محمود

بنو امیہ کے دورِ حکومت میں حصولِ خلافت کی کوششیں صرف بنو ہاشم اور خصوصیت کے ساتھ علویوں کی طرف سے ہوتی تھیں۔ آلِ بنو عباس (عمِ محترم رسولِ پاک) بالکل گمنام تھے لیکن امویوں کے دورِ آخر میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے اس خاندان کو قعرِ گمنامی سے نکال کر بامِ عروج پر پہنچا دیا یہ حادثہ یوں پیش آیا کہ سنہ ۱۰۰ھ بمطابق سنہ ۷۱۸ء میں کسی نامعلوم شخص نے علویوں کے قائد حضرت عبداللہ بن محمد بن حنیفہ کو زہر دے دیا۔ اس وقت اتفاق سے کوئی بھی صاحبِ اثر علوی موجود نہ تھا حضرت عبداللہ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے وصال سے پہلے اپنے ایک خیر خواہ محمد بن علی کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمِ بزرگوار حضرتِ عباس کے پڑپوتے تھے، عارضی طور پر اپنا جانشین مقرر کر دیا مگر محمد بن علی نے اسے مستقل حیثیت دے دی۔ اس طرح علویوں کی ساری قوت بنو عباس کو منتقل ہو گئی، محمد بن علی سنہ ۱۲۶ھ میں انتقال کر گئے ان کی جگہ ان کا عابد و زاہد بیٹا ابراہیم امام جانشین مقرر ہوا اور انہیں ابومسلم خراسانی جیسا اولوالعزم اور تجربہ کار ہاتھ آیا جو نقیبِ آلِ محمد اور بانیٔ دولتِ عباسیہ مشہور ہوا۔

ابومسلم نے سنہ ۱۲۹ھ میں ہرات کے نواحی گاؤں سفیدنج میں خلافتِ عباسیہ کی منادی کرا دی اور ابراہیم امام کے بھیجے ہوئے سیاہ پرچم جن کے نام ظل و سحاب تھے لہرا دیئے۔ اس وقت بنو امیہ کا آخری تاجدار مروان الحمار تخت پر متمکن تھا۔ اس نے جوابی کاروائی کی۔ حمیمہ کے مقام پر ابراہیم امام گرفتار ہو گئے اور اسی سال قید میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے انتقال سے پہلے اپنے

بھائی عبداللہ کو جانشین مقرر کر دیا تھا اس شخص نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو جمعہ کے روز جامع مسجد کوفہ میں خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اسی سال ذی الحجہ کے مہینہ میں مروان الحمار مصر کے ایک قصبے میں محصور ہو کر مارا گیا اس کے ساتھ ہی بنو امیہ کی ۸۹ سالہ حکومت ختم ہو گئی اور ساری اسلامی دنیا پر بنو عباس کا سیاہ پرچم لہرانے لگا۔

دار الخلافہ کی تلاش

عبداللہ السفاح نے اپنی حکومت کا اعلان کوفہ میں کیا تھا مگر اسے بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر اس شہر کو دار الخلافت بنانے کا تامل تھا۔ اس نے شمالی عراق میں دریائے فرات کے کنارے ایک مقام کو دار الخلافت کے لئے انتخاب کیا اور اس کا نام الہاشمیہ رکھا۔ ۱۳۶ھ میں السفاح نے اسی شہر میں انتقال کیا اور وہیں اس کا بڑا بھائی جعفر المنصور تخت نشین ہوا۔

عبداللہ نے سفاکی اور خونریزی سے جو سلطنت حاصل کی تھی اسے ابوجعفر نے استحکام بخشا۔ تخت نشینی کے بعد آٹھ سال کے تجربات نے ابوجعفر المنصور کو ہاشمیہ کے بجائے کسی دوسرے شہر کو دار الخلافہ بنانے پر مجبور کر دیا۔ کوفہ اور بصرہ اسے بوجوہ ناپسند تھے۔ فرقہ راوندیہ کی بغاوت نے اسے جلد از جلد کسی فیصلہ پر پہنچنے پر مجبور کیا۔

ابوجعفر المنصور نے دار الخلافت کے لئے کوئی موزوں مقام معلوم کرنے کے لئے عراق کے عمر رسیدہ اور تجربہ کار افراد کو دربار میں طلب کیا ایک بوڑھے عیسائی راہب نے تجویز پیش کی کہ اس مقصد کے لئے دجلہ، فرات کے درمیان وہ قطعۂ ارض نہایت موزوں رہے گا جہاں کبھی نوشیروان عادل کا وہ باغ واقع تھا جہاں بیٹھ کر عدل کیا کرتا تھا۔ اس علاقے کی خصوصیت یہ ہے کہ نہایت زرخیز اراضی میں گھرا ہونے کے باوجود مچھروں کے عذاب سے بالکل محفوظ ہے۔

ابوجعفر المنصور اس قطعہ کا معائنہ کرنے پہنچا تو ایک ایسا عیسائی راہب پالکی میں بیٹھ کر آیا جو ۷۵ سال سے ایک حجرے میں معتکف تھا۔ اس نے عرض کیا "میں نے علم نجوم کے ذریعہ معلوم کیا ہے کہ یہاں جو شہر تعمیر ہوگا وہ ابد الآباد تک قائم رہے گا مگر جو شخص اس کی بنیاد رکھے گا اس کا نام مقلاص ہوگا" ابوجعفر نے خوش ہو کر کہا "تم ٹھیک کہتے ہو، مقلاص میرا ہی لقب ہے۔ میں نے بچپن میں اپنی کھلائی کا بازوبند چوری کر لیا تھا، جس پر وہ پیار سے مجھے مقلاص (چور) کہنے لگی تھی۔" المنصور کو دجلہ و فرات کی درمیانی سرزمین کی آب و ہوا اور عیسائی راہبوں کی باتیں اتنی پسند آئیں کہ اس وقت عیسائی اور یہودی راہبوں سے وہ قطعۂ ارض خرید لینے کا حکم دے دیا۔

بغداد کی تعمیر

ابوجعفر المنصور کنجوسی میں یکتا تھا اور اسی باعث دوانیقی کہلاتا تھا مگر نئے دار الخلافہ کی تعمیر کے شوق

میں اس نے اپنی اس عادت کو بھی ترک کر دیا۔ شام، موصل، واسط، کوہستان اور بصرہ کے عاملوں کو فرامین بھیج کر نادرِ روزگار صناع اور کاریگر طلب کئے۔ مختلف وزرا اور امراء کو عمارتی سامان فراہم کرنے کا حکم دیا۔ ریاضی دانوں اور تعمیر دانوں کو شہر کا نقشہ تیار کرنے کی ہدایت کی۔ مختلف کام مختلف کاریگروں کے سپرد کئے مگر سب کی نگرانی ابوجعفر نے اپنے ہاتھ میں رکھی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ ایک عرصے سے عہدۂ قضا قبول کرنے پر مجبور کر رہا تھا مگر آپ مسلسل انکار کر رہے تھے۔ خلیفہ نے اس انکار کا بدلہ یوں لیا کہ آپ کو نئے شہر کی خشت شماری پر مامور کیا۔ حضرت امام نے چیف جسٹس کے اعلیٰ عہدہ پر اس ادنیٰ عہدے کو ترجیح دی۔

جب تعمیرات کے سب اسباب جمع ہو گئے تو ابوجعفر المنصور شاہی جلوس کے ساتھ نوشیرواں کے باغ داد میں پہنچا۔ ایک مجوسی منجم نوبخت نے جو کہ خلیفہ کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا، زائچہ تیار کیا اور کہا "یہ جگہ مبارک ہے، عمارات زمانہ دراز تک قائم رہیں گی، شہر خلائق سے معمور رہے گا اور اس شہر میں کوئی بادشاہ فوت نہیں ہو گا" خلیفہ خود بھی علمِ نجوم میں درک رکھتا تھا۔ تاہم مزید اطمینان کے لئے خالد برمکی، حجاج بن ارطاہ، ابراہیم الفزاری اور علی بن عیسیٰ جیسے منجموں اور ہیئت دانوں کی رائے دریافت کی۔ سب نے نوبخت کے زائچہ کی صحت کی تصدیق کی۔ ۱۴۵ھ میں خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے شہر کا سنگِ بنیاد رکھا اور اس موقع پر قرآنِ حکیم کی وہ آیت تلاوت کی جس کا مفہوم ہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عنایت کرتا ہے۔

شہر کا نقشہ ایک دائرے کی شکل میں تھا درمیانی دائرے کے گرد دو اور بڑے دائرے تھے۔ اندرونی کا قطر تقریباً سوا میل تھا جس میں ایوانِ خلافت یعنی قصر الذہب، جامع مسجد اور مختلف وزارتوں کے صدر دفاتر واقع تھے۔ ان سب عمارتوں میں قبۃ الخضر زیادہ ممتاز تھا۔ اس دائرے کے باہر ایک اور دائرہ تھا جس میں تاجروں اور صناعوں کے لئے الگ الگ محلے تعمیر کئے گئے تھے یہ گویا شہر کا صنعتی اور رہائشی علاقہ تھا، اس دائرے کی فصیل کے باہر ایک اور دائرہ تھا جسے خالی چھوڑ دیا گیا تھا کہ شہر کی دفاعی فوج کی نقل و حرکت میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو، شہر پناہ کے چار دروازے تھے جن کا درمیانی فاصلہ ایک ایک میل تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ شہر پناہ کا قطر چار میل تھا۔ ان چار دروازوں سے جو سڑکیں نکلتی تھیں وہ سلطنت کے چاروں کونوں میں پہنچتی تھیں۔

خلیفہ نے نئے نئے دروازہ کی تعمیر میں حتی المقدور کفایت شعاری سے کام لیا تھا مگر پھر بھی جب ۱۴۹ھ میں مرکزی دائرے کی عمارات مکمل ہوئیں

تو خزانہ سے دو کروڑ درہم خرچ ہو چکے تھے ، اس جگہ کا نام باغ داد سے بدل کر "مدینۃ الاسلام" رکھ دیا گیا تھا مگر یہ نام سرکاری مسودات اور سکوں تک محدود رہا ، زبان زدِ خلائق نہ ہو سکا وہی باغ داد بگڑتے بگڑتے "بغداد" رہ گیا ہے ۔

ابوجعفر المنصور نے بغداد کے گرد و نواح کی اراضی اپنے اہلِ خانہ ، وزیروں اور جرنیلوں کو بخش دی کہ اسے آباد کریں ۔ جابجا نہریں کھودی گئیں ، محلات تعمیر کیے گئے اور گلزار کھلائے گئے ۔ رفتہ رفتہ اکنافِ عالم سے صناع ، تاجر اور علماء بغداد میں کھنچے آنے لگے ۔ شمال کی ریتلی زمین قبرستان کے لئے مخصوص کر دی گئی جو بعد ازاں کاظمین کے نام سے مشہور ہوئی ، کوفہ کو جانے والی سڑک پر تو کرخ تک آبادی ہو گئی ۔

المنصور جتنا کنجوس تھا اس کی اولاد اتنا ہی لکھ لٹ ثابت ہوئی ۔ اس کی فیاضیوں اور علم نوازیوں نے صرف نصف صدی میں اس شہر کو دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے متمدن شہر بنا دیا ۔ مہدی کے عہدِ حکومت میں بغداد کے گرد جو آبادیاں تعمیر ہوئیں ان کی تعداد چالیس تھی اور وہ آپس میں ملی ہوئی تھیں ۔ مہدی کے بیٹے ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کی آبادی دس لاکھ سے بھی بڑھ گئی تھی ۔ عمارتوں کے حسن و خوبی کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی نے اپنے لئے جو محل تعمیر کرایا تھا اس پر اتنی ہی رقم خرچ کی جتنی کہ خلیفہ منصور نے پورے شہر کی تعمیر پر خرچ کی تھی ، غرض بغداد شہر نہیں تھا بلکہ شہروں کی دلہن تھا ۔

مرکزِ عالم

مہدی ، ہارون الرشید ، خیزران ، زبیدہ ، امین الرشید ، مامون الرشید ، آلِ برامک اور دیگر امراء نے عروس البلاد بغداد میں اس تہذیب کو جنم دیا جو آگے چل کر بدوی تہذیب کے مقابلے عرب تہذیب کہلائی ۔ اس عہد میں علوم و فنون اور صنعت و حرفت نے جو ترقی کی وہی آخر کار عرب تہذیب کا نقطۂ عروج قرار پائی یہی وہ بغداد تھا جس کے بازاروں میں ہند چینی اور چین کی مصنوعات بکھری پڑی رہتی تھیں ۔ اس شہر کی گلیوں میں اس وقت سرکاری خرچ پر مٹی کے تیل کی لالٹینیں جلائی جاتی تھیں جس وقت کہ یورپ کے کلیساؤں کو مشعلیں بھی بمشکل میسر آتی تھیں ۔ فلپ کے ہٹی نے سچ کہا ہے

" ہارون الرشید ہی کے عہد میں بغداد دنیا کا مرکز اور اہمیت میں بازنطیم کا ہم پلہ بن گیا تھا مگر آگے چل کر بغداد دنیا کے ہر شہر کو پیچھے چھوڑ گیا ۔ "

تہذیب و تمدن سیاسی استحکام اور دولت کی فراوانی کے گہوارے میں پلتے ہیں ۔ عبداللہ الفلاح کا دورِ حکومت ختم ہوتے ہی سلطنت کو

امن، سیاسی استحکام اور خوشحالی علیہ آگئی۔ یہی منصور، مہدی، ہارون اور مامون کا شہر ہے جس نے الف لیلیٰ کو طلسماتی خوش رنگی مہیا کی۔

اس کے عہد بغداد میں دولت کی فراوانی کا اندازہ اسی بات سے لگا لیجئے کہ عربی کا یگانۂ روزگار شاعر ابونواس خلیفہ ہارون الرشید سے دس ہزار روپے ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔ مختلف موقعوں پر ملنے والے خلعت اور انعامات الگ تھے۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے اسے ایک لاکھ درہم اور ایک خلعت مرحمت کئے۔ اس عہد کا باکمال مغنی ابراہیم موصلی مرا تو دو کروڑ چار لاکھ درہم ترکہ چھوڑ گیا اس عہد کے یگانۂ روزگار طبیب جبریل بن بختیشوع نے ۹ کروڑ درہم کا ترکہ چھوڑا۔ یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس وقت بغداد میں نو سو مستند طبیبوں کو طب کی اجازت حاصل تھی۔ سرکاری شفاخانے الگ تھے۔

عجائباتِ بغداد

خلیفہ المنصور کے قصر الذہب کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے صدر دروازہ پر ایک سو تیس فٹ بلند مینار پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ تھا جو کہ نیزا تولے کھڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ شہر کو جس طرف سے خطرہ ہوتا تھا، نیزے کا رخ خود بخود ادھر ہو جاتا تھا ہارون الرشید نے شاہ فرانس شارلمین کو تحفے میں ایک گھڑی بھیجی تھی جو پانی کی قوت سے چلتی تھی گھنٹہ پورا ہونے پر ایک پیادہ نکلتا تھا اور گھڑیال پر ضرب لگاتا تھا۔ شارلین کے درباری اسے جادو سمجھ کر سراسیمہ ہو گئے اور پادری نے اس نادر گھڑی کو توڑ دینے کا فتویٰ دیا۔

خلیفہ المقتدر کے زمانے میں شاہِ قسطنطنیہ معظم کا ایلچی بغداد میں آیا تو وہ خلیفہ کا جاہ و حشم دیکھ کر حیران پریشان ہو گیا۔ سب سے پہلے اسے ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ فوج نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ محل کے صدر دروازہ تک ایک طرف سات ہزار سیاہ فام خواجہ سرا اور دوسری طرف اتنے ہی سفید فام خواجہ سرا ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ سفیر کے آگے آگے ایک سو سدھائے ہوئے شیر چل رہے تھے۔ شاہِ قسطنطنین کا ایلچی جاہ و جلال کے اس مظاہرے سے حواس باختہ ہو کر محل میں داخل ہوا۔ وہ سب سے پہلے جس کمرے میں داخل ہوا اس جیسی تزئین و آرائش اس نے ساری عمر نہیں دیکھی تھی، اسی کو دربار سمجھ کر سجدے میں گر گیا حالانکہ وہ حاجب کا کمرہ تھا، اس کے بعد وہ وزیر کے کمرہ میں پہنچا ہو گا تو اس کی حالت کیا ہو گئی ہو گی اور پھر دربارِ خلافت میں تو اس کی حالت قابلِ دید ہو گی۔

اس محل میں سونے چاندی کا بنا ہوا درخت تھا اس کی شاخوں پر سونے چاندی کے پرندے بٹھائے گئے تھے۔ جب ہوا کے جھونکے اس کو چھیڑتے ہوئے گذرتے تھے تو ان میں سے قدرتی پرندوں کے مشابہ نغمے پھوٹتے تھے۔ بغداد کی

ایک رات

مشعلِ ہدایت مولانا حاجی
اللہ ودھایا صاحب لائل پور

۸ جنوری بروز جمعۃ المبارکہ ختمِ خواجگان شریف و حلقۂ ذکر کے بعد جبکہ بارگاہِ محمدیت میں دست بدعا تھے اطلاع ملی کہ الحاج الحافظ القاری پیر سید بشیر حسین شاہ صاحب آزاد کشمیر سے علی پور شریف رونق افروز ہو گئے ہیں لیکن بخار اور شدید کھانسی میں مبتلا ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی اطلاع دی گئی کہ آپ کی صاحبزادی عزیزہ طاہرہ بیگم بعمر ۶ سال کہیں کھیلتی کھیلتی چکی کے درمیان آ کر ران کی ہڈی شکستہ ہو گئی ہے یہ خبر پاتے ہی تمام یارانِ طریقت لائلپور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت خشوع و خضوع سے دست بدعا ہوئے۔ فقیر علی الصبح ہفتہ کے دن ۹ جنوری راجہ بس پر سوار ہو کر سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے ڈسٹرکٹ ٹرانسپورٹ پر سوار ہو کر سیدھا علی پور شریف عالی وقار صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر قدم بوسی کی سعادت اور زیارت حاصل کی۔ بخار سے بفضل الرحمن افاقہ تھا لیکن شدید کھانسی تاحال شاملِ حال تھی اور محترمہ صاحبزادی صاحبہ سول ہسپتال سیالکوٹ میں برائے علاج داخل ہیں۔ تمام اہلِ بیت وہیں ایک علیحدہ کمرہ میں صاحبزادی صاحبہ کے پاس موجود ہیں۔

عالیجناب عالمِ بے بدل الحاج الحافظ القاری پیر سید انور حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی (جو مہمان نوازی میں اپنی مثل آپ ہیں) کے ساتھ روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔ رات سات بجے مسجدِ نور میں نمازِ عشاء اور تراویح ادا کیں، اس وقت کا سماں نہ تقریر میں آ سکتا ہے اور نہ ہی تحریر پیش کر سکتی ہے۔ نمازِ فرض اور وتر عالیجناب جوہرِ ملت، استاذ العلماء والفضلاء نے پڑھائی۔ قرأت ہوبہو علامۂ زماں قاری حافظ حضرت سراج الملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی نمازِ تراویح حضرت پیر حافظ قاری پیر سید افضل حسین شاہ صاحب نے پڑھائی۔ آپ ہی قرآن شریف سنا رہے تھے۔ آپ نے سات سال کی عمر میں کلامِ پاک حفظ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم اور احسانِ عمیم سے تمام علوم و فنون اور دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہو گئے ہیں۔

مسجدِ نور علی پور شریف کے خطۂ مقدسہ میں جنوب کی جانب واقع ہے مسجدِ نور تمام پاکستان میں بے مثل اور بے نظیر مسجد ہے جس پر واللہ اعلم لاکھوں روپے کی لاگت آئی ہو گی۔ مسجدِ نور سرتاپا سنگِ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ جس کے دروازے سال لکڑی سے تیار کئے گئے ہیں۔ مسجدِ نور کے اندر

نقش ونگار دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسجد کے اندر دالان میں جنوب کی طرف مچھلی کا کنڈا دکھائی دیتا ہے جو بمنزلہ شہتیر کے ہے جو رب تعالےٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ مسجد نور کی قندیلیں رات کے وقت روشنی میں عجیب جلوہ دکھاتی ہیں مسجد نور کا محراب صنعت کا عمدہ نمونہ ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے سنہری نقش و نگار نے مسجد کی رونق کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس مسجد نور کو اس طرح مزین اور آراستہ کیا گیا ہے کہ اب یہ مسجد یگانۂ روزگار معلوم ہوتی ہے۔

ہاں تو جب رات کو اس ولی اللہ نے تراویح کی نماز پڑھائی اور قرآن حکیم کی نہایت ترتیل سے تلاوت فرمائی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتگان رب العالمین جھوم جھوم کر اور وجد میں آکر وہی کلام پاک جو لوحِ محفوظ میں ہے سن رہے ہیں الحمدللہ! سامعین میں عاشقان رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کچھ بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے بچے بھی تھے۔ جن سے مسجدِ نور بھرپور تھی اور مسجد کے شمالی حصہ میں باقاعدہ پردے کا انتظام تھا جس میں اس خطۂ پاک کی خواتین جنت بھی قرآن حکیم کے شوق و ذوق میں تشریف لا کر نمازِ تراویح میں مشغول تھیں۔ پس ۹، جنوری کی رات کی نماز میں نے اسی مسجدِ نور میں ادا کی اور بے ساختہ حضرت جوہر ملت مدظلہم العالی کی خدمت میں عرض کی کہ فقیر نے ستر سال کی عمر میں پہلی مرتبہ محبوب حبیب رب العالمین کی مسجد (مسجدِ نور) میں نماز ادا کی ہے اور فقیر روحانی لذت سے سرشار ہوا ہے۔

یارانِ طریقت لائلپور

بفضل الرحمٰن حضرت امیر ملت غوثِ زماں رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی توجہ باطنی اور موجودہ سجادہ نشین حضرت شمس الملت مدظلہ العالی کی برکت سے یارانِ طریقت لائل پور میں ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو قابلِ تقلید ہیں۔

۱۵ر جنوری کا حلقۂ ذکر برادر محترم محمد لطیف صاحب کے دولت خانہ میں ہوا تھا جس میں تیس چالیس مریدین جمع تھے پہلے ختم خواجگاں شریف ہوا۔ ازاں بعد حلقۂ ذکر سے فراغت پا کر روزہ کی افطاری نہایت شان وشوکت سے ہوئی۔ صاحبِ خانہ نے یارانِ طریقت کے لئے کھجوروں کے علاوہ زردہ، پلاؤ، گوشت وغیرہ سے خوب تواضع کی نمازِ مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ہر ایک کے قلب سے آواز آتی تھی کہ آئندہ جمعہ کو حلقہ غریب خانہ پر ہوگا۔ چونکہ رمضان شریف میں صرف تین جمعے ہی باقی رہ گئے ہیں اس لئے ہر شخص کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے دیگر ایام میں بھی متعدد یاروں کے گھروں میں حلقۂ ذکر کیا گیا۔

اللہ ہم سب کو اتفاق و محبت میں استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

اخبارِ آستانہ عالیہ علی پور شریف

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین شمس الملت مولانا الحاج پیر سید نور حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی حیدر آباد دکن تشریف لے گئے ہیں۔ علی پور شریف کے سالانہ عرس شریف سے قبل تشریف لائیں گے، رمضان شریف کے مبارک ماہ میں لیلۃ القدر کی رات کو مولانا سید افضل حسین شاہ صاحب سلمہ ربہ تعالےٰ نے قرآنِ پاک ختم کیا بعد ازاں وعظ شریف ہوا مسجدِ نور گیسوں کی روشنی سے بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ مہمانوں اور مقامی حضرات سے مسجد اندر اور باہر سے بھری ہوئی تھی۔ مختلف شہروں سے آئے ہوئے نعت خوانوں نے نعت خوانی سے لوگوں کے دلوں کو مسرور کیا۔ جملہ حضرات پیرانِ عظام علی پور شریف رونق افروز ہیں، زائرین اور مشتاقانِ دید اکناف و اطراف اور بلادِ مختلفہ سے حاضر ہو کر فیوض و برکات طریقت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ صاحبزادی طاہرہ بی بی کو اب بہت افاقہ ہے، حضرت علامہ کرزماں جوہر الملت نے ۲۸ جنوری کو لکھا تھا کہ ایک دو دن میں پلستر لگ جائے گا، پھر ان کو گھر لے آئیں گے۔

معاونین و سرپرست

جنہوں نے گذشتہ ماہ رسالہ "انوار الصوفیہ" کی امداد فرمائی ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) پیرِ طریقت رئیس الصلحا حضرت مولانا حاجی صوفی اللہ دِھایا صاحب منیجر "مسلم ہائی سکول" مقیم پیپلز کالونی نے اپنے احباب اور عقیدت مندوں سے بہت خریدار دئے ہیں، اس کے علاوہ ہمیشہ رسالہ کی ہر ممکن طریق سے امداد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۲) جناب غلام نقشبند صاحب جماعتی نقشبندی ممبر بی۔ ڈی منصور آباد لائل پور نے رسالہ کی اعانت کے لئے بوساطت جناب مولانا حاجی اللہ دِھایا صاحب مبلغ یکصد روپیہ نقد عطا فرمایا ہے۔ اس سے بیس مستحقین زکوٰۃ کے نام ایک سال کے لئے ماہنامہ انوار الصوفیہ ماہِ فروری ۱۹۶۵ء سے فروری ۱۹۶۶ء تک جاری کر دیا ہے۔

(۳) جناب محمد اسماعیل صاحب دکاندار گردوارہ روڈ منڈی پھلروان نے مبلغ ۱۰ روپے برائے اعانتِ رسالہ ارسال فرمائے ہیں۔

ادارہ انوار الصوفیہ ان سب احباب کیلئے بخلوصِ قلب سے دعائے خیر کرتا ہے۔

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو اس سے سمجھ لیں کہ اس ماہ سے آپ کے سالانہ چندہ کی میعاد ختم ہو گئی ہے۔ آئندہ سال کے لئے آپ فوراً مبلغ ۵ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں ورنہ آئندہ ماہ کا رسالہ بصورتِ وی۔ پی پیشِ خدمت کیا جائے گا جس کا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ ○ اگر وی پی وصول کرنا ناگوار ہو تو ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر مطلع فرما دیں۔